جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فی

مناقبِ سیدہ فاطمہ بتول

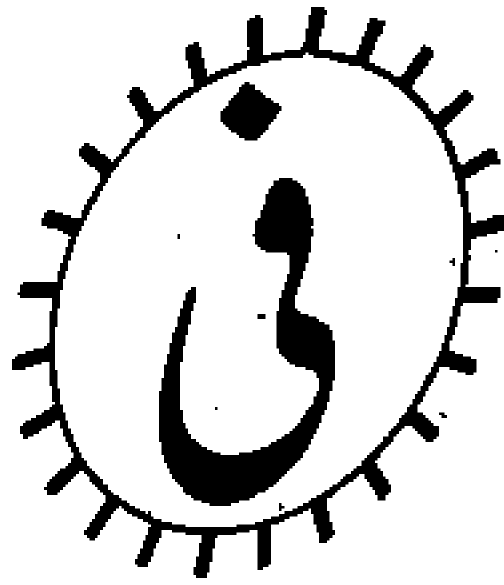


مصنف
ابو نعمان مولانا محمد ریاض رضا ہاشمی

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور



جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم



مناقب سیدہ بتول رحمۃ اللہ علیہا

مصنف

ابونعمان مولانا محمد ریاض رضا ہاشمی عطاری
بصیر پوری

تصحیح

محمد شکیل مصطفےٰ اعوان صابری چشتی



شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

جگر گوشۂ رسول ﷺ



مناقب سیدہ بتول رضی اللہ عنہا

ناشر ملک شبیر حسین

سن اشاعت نومبر 2009ء / ذوالحجہ 1430ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ ورڈز میکر

سرورق اے ایف ایس ایڈورٹائزرز
0345-4653373

قیمت روپے

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے تاہم پھر بھی اگر آپ کہیں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دیا جائے۔ ادارہ



ترتیب

انتسابِ جمیل

میں اپنی اس حقیری کاوش کو پیکر شرم و حیا' سیدۃ النساء' جگر گوشۂ رسول حضرت سیّدہ فاطمہ بتول طیبہ طاہرہ زہرا زاکیہ، راضیہ و مرضیہ' عابدہ' زاہدہ کی خدمت سراپا شریعت وحکمت میں بہ ہدیہ عقیدت پیش کرنے کی سعی و سعادت حاصل کرتا ہوں نیز اپنی والدہ ماجدہ جو کہ ہر وقت مجھ پر اپنی شفقتوں کے دریا بہاتی رہتی ہیں اور اپنے محسن بھائی محمد عرفان و محمد عمران و محمد رضوان کی والدہ ماجدہ مرحومہ و محمد اشتیاق عطاری آف پاک پتن شریف کی والدہ مرحومہ کی روح کو ایصال ثواب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ نیز اللہ رب العزت' ابوالحسان محمد نعیم رضا قادری عطاری بصیر پوری کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے دل کی ہر جائز دعا مقبول فرمائے۔ نیز محمد خلیل احمد نوری عطاری و ڈاکٹر مرتضٰی و یٰسین بھٹی صاحب ان سب کے عزیز و اقربا کی ارواحِ مبارکہ کو ایصالِ ثواب کے لئے پیش کرتا ہوں اللہ عزوجل قبول فرمائے آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

سگ درگاہ اہل بیت اطہار علیہم الرضوان

احقر العباد

ابونعمان محمد ریاض رضا ہاشمی عطاری بصیر پوری

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا کروڑ احسان کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عنایت کی کہ ہم اس کے سب سے زیادہ مقرب اور محبوب رسول ﷺ کی چہیتی اور لاڈلی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کی سوانح شائع کریں۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت اہل ایمان کے لیے مشعل راہ اور اسوہ ہے مگر بعض امور میں خواتین کے مسائل و آداب مردوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان امور میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طیبات رضی اللہ عنہن کی پاکیزہ زندگی مسلم خواتین کے لیے اسوہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی تصنیف و اشاعت کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ مسلم خواتین کو اس اسوہ کی روشنی فراہم کی جائے۔

ہمارے محترم دوست محمد ریاض ہاشمی نے نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے احوال و آثار کو مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کو مصنف، مصحح، ناشر، کمپوزرز اور طابع کے لیے دنیا و آخرت میں خیر و برکت کے حصول کا باعث بنائے۔

آپ کا مخلص

ملک شبیر حسین

حمد باری تعالیٰ

اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو
تیری عظمت پہ قربان یا وحدہٗ
ہر شجر میں حجر میں نظر آئے تو
ذرّے ذرّے کو مولا تری جستجو
میں جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو
اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

تیری حمد و ثناء بس ہے ورد مرا
تو ہے معبود مرا میں ساجد ترا
چاہیے اور کیا میں ہوں بندہ ترا
صدقے رحمت کے اپنی، مجھے بخش تو
اللہ ہو اللہ ہو، اللہ ہو

مجھ کو دنیا کی دولت نہ زر چاہیئے
تیری رحمت کی مولا نظر چاہیئے
بس حشر میں تیرا درگزر چاہیئے
رکھ محمد[1] کے صدقے مری آبرو
اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

[1] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مصطفیٰ ؐ جان رحمت کے صدقے کرم
ہم غریبوں کا رکھ لے خدایا بھرم
جاتے غیروں کے درہم کو آئے شرم
رکھ لے بہرِ نبی اب مری لاج تو

ہاشمی کو تو ایسی جزا دے خدا
الفت مصطفیٰ ؐ میں گھوما دے خدا
ہوں سراپا خطا تو نہ دے یوں سزا
صدقے مرشد کے مولا مجھے بخش تو

(از قلم علامہ ابونعمان محمد ریاض رضا ہاشمی عطاری بصیرپوری)

ؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

تصور جس نے بھی باندھا تمہارا یارسول اللہ
خدا کا کرلیا اس نے نظارہ یارسول اللہ

خدا اس کا نہیں ہوتا اسی پر ہے مرا ایماں
جسے آتا نہیں ہونا تمہارا یارسول اللہ

بھنور سے یک بہ یک نکلے مری کشتی کنارے پر
اگر کردو کرم کا تم اشارہ یارسول اللہ

یہ آنکھیں آپ کے دیدار کی طالب ہیں مدت سے
انہیں جلوہ دکھا دو پیارا پیارا یارسول اللہ

مرے ناپاک دل پر نور کی برسات کر جاؤ
ہے جیسا مرشدی کا دل نکھارا یارسول اللہ

حشر میں جب چلوں پل پر مرے آقا چلے آنا
مجھے گرتے ہوئے دینے سہارا یارسول اللہ

بروز حشر میرے اس یقیں کی لاج رکھ لینا
تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا یارسول اللہ

دم آخر ہے، اب تو ہاشمی کو دید ہو جائے
بنا دیکھے نہیں اب تو گزارہ یارسول اللہ

(از قلم علامہ ابو نعمان محمد ریاض ہاشمی عطاری، بصیر پوری)

مدحِ اہلِ بیت

باغ جنت کے ہیں بہرِ مدح خوانِ اہلِ بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلِ بیت

کس زبان سے ہو بیانِ عز و شانِ اہلِ بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلِ بیت

اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلِ بیت

مصطفیٰ ﷺ عزت بڑھانے کے لیے تعظیم دیں
ہے بلند اقبال تیرا دودمانِ اہلِ بیت

اُن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت

مصطفیٰ ﷺ بائع خریدار اُس کا اللہ مشتری
خوب چاندی کر رہا ہے کاروانِ اہلِ بیت

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ بیت

پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے
خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہلِ بیت

حوریں کرتی ہیں عروسان شہادت کا سنگار
خوبرو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہلِ بیت

ہو گئی تحقیق عیدِ دید آبِ تیغ سے
اپنے روزے کھولتے ہیں صائمانِ اہلِ بیت

جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلِ بیت

اے شبابِ فصلِ گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستانِ اہلِ بیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلِ بیت

خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبانِ اہلِ بیت

خاک پر عباس و عثمانِ علمبردار ہیں
بیکسی اب کون اٹھائے گا نشانِ اہلِ بیت

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبانِ اہلِ بیت

قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارثِ بے وارثاں کو کاروانِ اہلِ بیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت

وقتِ رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلامِ آخری اے بیوگانِ اہلِ بیت

اَبرِ فوجِ دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہ کا چاند مہر آسمانِ اہلِ بیت

کس مزے کی لذتیں ہیں آبِ تیغ یار میں
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہلِ بیت

باغِ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلِ بیت

حوریں بے پردہ نکل آئی ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر ہے برپا میانِ اہلِ بیت

کوئی کیوں پوچھے کسی کو کیا غرض اے بیکسی
آج کیسا ہے مریضِ نیم جانِ اہلِ بیت

گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہلِ بیت

سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پہ بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہلِ بیت

دولتِ دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دوکانِ اہلِ بیت

زخم کھانے کو تو آبِ تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنانِ اہلِ بیت

اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہلِ بیت

اہلِ بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہلِ بیت

بے اَدب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستانِ اہلِ بیت

(برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن)

منقبت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

بڑھے گی تا اَبد شانِ علی ہر آن زہرا کی
کہ ہے مِدحت سرائی کر رہا قرآن زہرا کی

کھڑے ہو کر تھے استقبال کرتے مصطفیٰ اُن کا
خدا ہی جانتا ہے کس قدر ہے شان زہرا کی

نبی کے گھر کی ہر نعمت وہی تقسیم کرتی ہیں
ہے گویا سب خدائی ہر گھڑی مہمان زہرا کی

نگاہوں کو جھکا لو اہلِ محشر، یہ ندا ہو گی
سواری خُلد میں جائے گی جب ذیشان زہرا کی

بپاسِ پردہ ملک الموت کے انکار کرنے پر
خدا نے قبض فرمائی تھی خود ہی جان زہرا کی

جبھی تو کٹ کے بھی کربل میں سر اُن کا رہا اونچا
کہ تھی شبیر میں غیرت علی کی، آن زہرا کی

بیاں کیا شان ہو بنتِ نبی کی تجھ سے اے صائم
تھے چکی پیستے حور و ملک رضوان زہرا کی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نامِ نامی اسم گرامی ہے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور القاب سیّدہ زہرا بتول طاہرہ وزاکیہ' راضیہ' عابدہ وزاہدہ ہیں۔

نام فاطمہ کی حکمت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا سَمَّیتُ اِبْنَتِیْ فَاطِمَۃَ لِاَنَّ اللہَ فَطَمَھَا وَمُحِبِّیْھَا عَنِ النَّارِ

(کنز العمال ج ٦ ص ٢١٩ صواعق محرقہ ص ١٥١)

کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے محبوں کو دوزخ سے آزاد فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ فَاطِمَۃَ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَحَرَّمَ اللہُ ذُرِّیَّتَھَا عَلَی النَّارِ

(المستدرک حاکم ج ٣/ ١٥٢)

کہ بے شک فاطمہ پاک دامن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو دوزخ پر حرام فرما دیا ہے۔

نام زہرا کیوں؟

کلی۔ نہایت خوبصورت۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بہت ہی زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اولاد سے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق پوچھا تو فرمایا؟

كَانَتْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (مستدرک حاکم ج ۳/۱۶۱)

کہ سیّدہ چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین و جمیل تھیں۔

نام بتول کی حکمت

دنیا سے بے تعلق۔ چونکہ آپ کی توجہ دنیا اور اس کے عیش و عشرت کی طرف نہیں بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہی ہے اس لئے آپ کو بتول کہتے ہیں

طاہرہ وزاکیہ

پاک صاف' چونکہ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر رحمت اور فیضان صحبت سے آپ کے باطن کا تزکیہ اور آپ کو ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی حاصل ہو چکی تھی اس لئے آپ طاہرہ وزاکیہ کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

عابدہ وزاہدہ

آپ کی ساری زندگی زہد و عبادت میں گزری (جیسا کہ آپ آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے) اس لئے آپ کو زاہدہ عابدہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیّدہ کی ولادت مبارکہ

آپ کی ولادت نبوت کے پہلے سال ہوئی تھی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت اکتالیس برس کی تھی باقی تمام اولاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبل از اعلانِ نبوت ہوئی چونکہ آپ کی ولادت کا شانہ نبوت کے انوار و تجلیات میں ہوئی اس لئے آپ کا مرتبہ بنات رسول میں سب سے زیادہ ہے۔

سیّدہ کا بچپن شریف

آپ کا بچپن شریف اور زندگی کا ہر لمحہ نہایت پاکیزہ تھا اور ایسا کیونکر نہ ہوتا جبکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کی آغوش رحمت آپ کی تربیت گاہ تھی اور آپ دن رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خدیجۃ الکبریٰ کی زبان پاک سے پاکیزہ اقوال اور خدا شناسی کے تذکرے سنتیں اور ان کے مقدس افعال واعمال کا مشاہدہ کرتیں۔

والدہ کا انتقال

آپ کی عمر شریف ابھی نو برس ہی کی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی بہترین تربیت فرما کر انتقال فرما گئیں ان کی وفات کا صدمہ سب سے زیادہ آپ کو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا۔

نکاحِ مقدس

آپ کی عمر شریف تقریباً ساڑھے پندرہ برس کی ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کا نکاح حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے نہایت سادگی کے ساتھ کردیا۔ حضرت علی کی عمر اس وقت چوبیس سال کے قریب تھی نکاح کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی دم کرکے دونوں پر اس کے چھینٹے مارے اور فرمایا میں تمہیں اور تمہاری اولاد کو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(کنز العمال ج ۷/۱۳)

فضائل سیّدہ فاطمہ

آپ کے فضائل بیشمار ہیں حضور کی نورِ نظر لخت جگر اور آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے پیاری ہیں فاتح خیبر، شیر خدا حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی اہلیہ محترمہ اور حسنین کریمین (حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی والدہ ماجدہ اور سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہیں، پروردگار عالم نے اولاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

سلسلہ آپ ہی سے جاری فرمایا۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْنِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ سارے جہاں اور جنت کی عورتوں کی سردار ہے

• حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے اپنی والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں جا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنی اور آپ کی بخشش کی دعا کی درخواست کروں۔ والدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دی اور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا مغرب کی نماز آپ کے ساتھ ادا کی' پھر نوافل پڑھے اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر چلے تو میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے قدموں کی آواز سن کر فرمایا تو حذیفہ ہے؟ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں نے عرض کیا (جی) ہاں!

قَالَ مَاحَاجَتُكَ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ اَنْ يُّسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرُنِيْ بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَ اَشْبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی و مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰)

فرمایا تجھے کیا حاجت ہے اللہ عزوجل تجھے اور تیری ماں کو بخشے یہ ایک فرشتہ

ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے اپنے پروردگار سے میرے پاس آ کر مجھ کو سلام کرنے کی اجازت لی اور مجھے یہ بشارت دے رہا ہے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ اور حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(ترمذی و مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے افضل عورتیں خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) ہیں۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمام جہان کی عورتوں میں سے بہتر چار عورتیں ہیں، مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، اور خدیجہ بنت خویلد، اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۷۲)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بیٹی کیا تو راضی نہیں ہے کہ تو سارے جہاں کی عورتوں کی سردار ہے؟ سیّدہ نے عرض کیا ابا جان مریم بنت عمران بھی تو ہیں؟ فرمایا وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار، تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار، اور خدا کی قسم تمہارا شوہر علی دنیا و آخرت میں سردار ہے۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۷۷۱، حلیۃ الاولیاء)

کون افضل ہے؟

حضرت مریم صدیقہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ بعض نے کہا کہ حضرت مریم صدیقہ افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ہے

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (مائدہ:۷۵)

111355

ترجمہ: اور اس کی ماں صدیقہ ہے۔

اور فرمایا:

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران:۴۲)

ترجمہ: اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا ہے۔

ثابت ہوا کہ وہ صدیقہ بھی ہیں اور تمام جہان کی عورتوں پر برگزیدہ ہیں۔

اس کے جواب میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نساء العالمین سے مراد اس زمانے کی عورتیں ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا' لہٰذا جس طرح بنی اسرائیل کو ان کے زمانے میں دوسری قوموں پر فضیلت دی گئی تھی اسی طرح حضرت مریم کو ان کے زمانے کی سب عورتوں پر فوقیت دی گئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا:

تلك سيدة نساء عالمها وانت سيدة نساء عالمك

وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو' نیز فرمایا؟ چار عورتیں اپنے اپنے زمانے کی سردار ہیں۔

۱- مریم بنت عمران

۲- آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی)

۳- خدیجہ بنت خویلد'

۴- فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان میں افضل فاطمہ زہرا ہے۔

بہرصورت یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ سے افضل ہیں' ڈاکٹر اقبال مرحوم' سیّدہ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے خوب فرماتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

حضرت مریم (رضی اللہ عنہا) صرف ایک نسبت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

والدہ ہونے کی وجہ سے عزیز ہیں مگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین نسبتوں کی وجہ سے زیادہ عزیز ہیں۔

نور چشم رحمۃ اللعالمین، آں امامِ اوّلین و آخرین

۱- پہلی نسبت یہ کہ وہ اولین و آخرین کے امام، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور نظر اور لخت جگر ہیں۔

بانوے آں تاج دار ہل اتی ۔ مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا

۲- دوسری نسبت یہ کہ وہ تاج دار اہل اتی، مولائے مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیوی ہیں۔

مادر آں مرکز پرکارِ عشق ۔ مادر آں قافلہ سالار عشق

۳- تیسری نسبت یہ ہے کہ وہ حضرت حسین کی والدہ ہیں جو عشق کی پرکار کے مرکز اور عشق کے قافلے کے سالار ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کی عورتوں میں بہتر میری بیٹی فاطمہ ہیں (المستدرک)

محبوب رسول اللہ

حضرت جمیع بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو میں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ (حضرت عائشہ نے) فرمایا فاطمہ، پھر میں نے عرض کیا اور مردوں میں؟ فرمایا ان کے شوہر علی۔ (ترمذی و مشکوۃ شریف صفحہ ۵۷۰)

صدیقہ کی صداقت

• ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کردہ اس اور اس سے پہلے مذکور شدہ حدیث میں اگر انصاف سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اُم المومنین کی یہ روایتیں ان کے عدل و انصاف اور دیانت و صداقت کی بہت بڑی دلیل ہونے کے

ساتھ ان کی اور سیّدہ کی گہری محبت کی علامتیں ہیں چنانچہ اسی طرح

حدیث دیگر آمدہ کے از فاطمہ پرسیند کہ آزاند میاں کہ دوست تر بود برسوں مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرمودہ عائشہ! گفتز اد مرد ماں فرموند پدر شریف وے (مدارج النبوت ج ۲/۲۶۱)

مقام صدیق

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس سے زیادہ محبت ہے؟

سیّدہ نے فرمایا: عائشہ سے، انہوں نے کہا اور مردوں میں سے؟

فرمایا ان کے باپ (صدیق اکبر) سے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

عظمت مولا علی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں میں سے حضرت فا مہ اور مردوں میں سے حضرت علی کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ (ترمذی باب المناقب، مستدرک حاکم ج ۳/۱۵۵)

سیّدہ سے رسول اللہ کی محبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو سب کے بعد اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات فرماتے۔ (المستدرک حاکم ۳/۱۵۶)

غضب خدا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ فاطمہ کے غضب ناک ہونے سے غضب ناک ہو جاتا ہے اور

اس کے راضی ہونے سے راضی ہوتا ہے۔ (المستدرک حاکم ج ۳/ ۱۵۴)

حضرت مسوّر بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ کے گوشت کا ٹکڑا

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا' اور اضطراب میں ڈالتی ہے مجھ کو وہ چیز جو اس کو اضطراب میں ڈالے اور تکلیف دے۔ (بخاری ومسلم ترمذی)

گستاخِ فاطمہ کا انجام

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص سیّدہ فاطمۃ الزہرا کی یا ان کی اولاد کی بے ادبی کرے یا ان کو ایذا پہنچائے اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا کیونکہ اس کی اس حرکت سے ان کو اذیت ہوگی جو غضب الٰہی کا موجب ہے جس طرح ان کا غضب' غضب الٰہی ہے اسی طرح ان کی رضا میں اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا ہے' چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں تو اس کو چاہئے کہ وہ میرے اہل بیت کی نیاز مندی کرے اور ان کو دوست رکھے (دیلمی)

رسول اللہ کی ناراضگی

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولوی قلندر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی ایک دن کسی حمّال کے لڑکے کو کہ سید تھا طمانچہ مارا' اس دن سے زیارت منقطع ہوگئی مدینہ منورہ کے مشائخ سے رجوع کیا انہوں نے ایک ولیہ مجذوبہ کا پتہ دیا' جب وہ عورت مسجد نبوی میں آئی مولانا نے عرض کیا' سنتے ہی جوش میں آئی اور مولانا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا شف ھذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس مولانا نے بیداری میں چشم ظاہر سے زیارت کی۔ اس سے پہلے اس لڑکے سے خطا بھی معاف کرائی تھی مگر کچھ مفید نہ ہوا

تھا۔ (امداد المشتاق صفحہ ۱۰۰)

بشارت فاطمہ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! تجھے بشارت ہے کہ امام مہدی تیری اولاد سے ہوں گے۔

(ابن عساکر، الفتح الکبیر ج ۱/ ۱۷)

حضرت حسن کی دایہ

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتی ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کے وقت میں سیّدہ کے پاس تھی اور میں نے دایہ کے فرائض سرانجام دیئے۔ میں نے کوئی خون وغیرہ جو بوقت ولادت نکلتا ہے نہ دیکھا تو یہ کیفیت حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بیان کی۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ فاطمہ طاہرہ و مطہرہ ہے۔ اس کا حیض میں بھی خون نہیں دیکھا گیا۔ (تشریف البشر صفحہ ۱۱، نزہت المجالس ج ۲/ ۱۷۶)

مشابہت رسول اللہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو بیٹھنے، اٹھنے، چلنے پھرنے، حسن خلق اور گفتگو میں حضور کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہوں۔

استقبالِ فاطمہ

ام المومنین فرماتی ہیں جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کو چومتے اور اپنی جگہ پر پیار و محبت سے بٹھاتے، اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھڑی ہو جاتیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیتیں اور بے حد احترام

سے اپنی جگہ بٹھاتیں۔ (ترمذی، المستدرک حاکم ج ۱۶۰/۲)

کسی بزرگ کی آمد پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی بڑا چھوٹے پر شفقت و محبت فرماتے ہوئے اور چھوٹا بڑے کی تعظیم کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے تو یہ جائز اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا شرک ہے، سراسر غلط اور دلیل جہالت ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں دیکھا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ (الاستیعاب ج ۷۷۲/۲)

امت کی بخشش

نزہتہ المجالس میں روایت ہے کہ جب آیہ کریمہ

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم:۷۱)

ترجمہ: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو۔

نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکر اُمت میں بہت رونے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام بھی باوجہ محبت رونے لگ گئے۔ لیکن کسی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رونے کا سبب معلوم نہیں تھا۔ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہائی رنج وغم میں بھی سیّدہ فاطمہ کو دیکھ کر خوش ہو جاتے اور آپ کا سب رنج وغم دور ہو جاتا تھا اس لئے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ تجویز کی کہ کسی طرح سیّدہ کو بلایا جائے، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور ماجرا عرض کر کے خواہش ظاہر کی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے جائیں۔ خاتون جنت سیدۃ نساء العالمین نے اسی وقت اٹھ کر ایک کمبل اوڑھا جس میں بارہ سے زیادہ پیوند تھے۔ اور چلیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں ایک درد سا اٹھا اور میں روتے ہوئے دل میں یہ کہتا

جارہا تھا کہ کفار کی بیٹیاں تو زرّیں لباس پہنیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ جب دربار رسالت میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی سیّدہ کی مبارک آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور روتے ہوئے عرض کیا' ابا جان کس بات نے آپ کو اس قدر رلایا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ آیت پڑھ کر سنائی جو نازل ہوئی تھی۔ سیّدہ سنتے ہی خوف خدا سے اور زیادہ رونے لگیں۔ اور روتے روتے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف توجہ کرکے فرمایا' یا شیخ المہاجرین اللہ نے اپنے نبی پر آیت

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم:۷۱)

اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گذر دوزخ پر نہ ہو۔

اتاری ہے تو کیا آپ اُمت کے بوڑھوں پر فدا ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے علی مرتضٰی سے فرمایا کہ آپ اُمت کے نوجوانوں پر فدا ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! تو پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسن و حسین سے پوچھا کیا تم اُمت کے بچوں پر فدا ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہاں ہاں! پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں اُمت کی عورتوں پر فدا ہوتی ہوں۔

پس جبریل نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ فاطمہ سے کہیں کہ وہ غم نہ کرے میں آپ کی اُمت سے وہی سلوک کروں گا جو فاطمہ چاہے گی۔ (نزہۃ المجالس ج ۲/۱۷۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور سجدۂ شکر بجالائے۔

وہ نور العین' وہ لخت دل محبوب ربانی   وہ فخر ہاجرہ و آسیہ وہ مریم ثانی
وہ جن کا ایک سجدہ ضامن عفو خطا کاراں   وہ جن کی جنبش لب شافع جرم گنہگاراں

زہد و تقویٰ و نفس کشی

راہ خدا میں کفار سے لڑنا بھی جہاد ہے مگر نفسی خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے محرمات سے بچنا اور صدق نیت کے ساتھ کتاب و سنت پر عمل کرنا اور اس پر ثابت قدم رہتے ہوئے طرح طرح کی سختیاں جھیلنا بھی جہاد اکبر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور وہ جس نے اپنے نفس کو خواہش بد سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

(النازعات)

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو نفسانی خواہشات کی پیروی کی بجائے نفس کو قابو میں رکھ کر احکام الٰہی کی پیروی کرے اس کا ٹھکانا سوائے جنت کے اور کہیں نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جہاد چار ہیں: (۱) نیکی کرنے کا حکم دینا' (۲) برائی سے منع کرنا' (۳) مقامات مصیبت میں سچائی اختیار کرنا' (۴) نافرمان سے نفرت کرنا۔ (الفتح الکبیر ۲/۲۰۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل ترین جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اس کی ناجائز خواہشوں سے جہاد کرے۔ (الفتح الکبیر صفحہ ۲۰۸)

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوا کہ نفس اور اس کی خواہشات سے جہاد کرنا' افضل ترین جہاد ہے اسی لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر فرمایا تھا

کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں (غنیۃ الطالبین' کیمیائے سعادت) صحابہ کرام نے عرض کیا' یارسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا نفس کو خدا کی نافرمانی سے باز رکھنا۔

نفس سے جہاد' جہاد اکبر کیوں ہے؟ اس لئے کہ کفار' ظاہری دشمن ہیں اور نفس و شیطان' باطنی دشمن' کفار سے جہاد کرنے کے لیے قوت بازو اور تیر و تلوار کی ضرورت ہے اور نفس و شیطان سے جہاد کرنے کے لئے قوت ایمان و عمل کی ضرورت ہے کفار سے کبھی کبھی جہاد کا موقع آتا ہے مگر نفس و شیطان سے ہر وقت جہاد کرنا پڑتا ہے پس معلوم ہوا کہ نفس کے ساتھ جہاد یقیناً بڑا جہاد ہے۔

نفس کے ساتھ جہاد

جہاد کا نتیجہ فتح یا شکست ہے۔ اگر آپ نفس کی خواہشوں کو پورا کرتے ہوئے حرام اختیار کرلیں تو یہ آپ کی شکست اور نفس کی فتح ہوگی اور اگر آپ نفس کی خواہشات کو کچل دیں اور حرام کے اختیار سے بچیں تو یہ آپ کی فتح اور نفس کی شکست ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کسی دشمن کو شکست پر شکست دیتے ہوئے اس کی طاقت وقوت کو کمزور کرتے چلے جائیں تو ایک دن آئے گا کہ دشمن ختم ہو جائے گا یا سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اہل اللہ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ دشمن نفس کی خواہشات کو مسلسل کمزور کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نفس کو بالکل مار دیتے ہیں اور جب نفس ہی مرگیا تو نفسی خواہشات کہاں ہوں گی؟ پھر تو وہ سراپا روحانیت ہو جاتے ہیں ان کے تقاضے پھر نفسانی نہیں روحانی ہوتے ہیں۔ پھر وہ صرف خدا کے طالب ہو جاتے ہیں کسی دوسری چیز کی رغبت ہی نہیں کرتے۔ اور نہ ان کی نظروں میں کسی دوسری چیز کی کوئی وقعت ہی رہتی ہے۔ پھر وہ حلال کی خواہش بھی نہیں کرتے' حلال چیزوں کا دروازہ بھی اپنے اوپر بند کرلیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ میں حرام کے اختیار کے خوف سے ستر مرتبہ اپنا ہاتھ حلال سے کھینچتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ شہنشاہ کونین ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ اختیار فرمایا اور دنیا کی چیزوں کی رغبت نہیں فرمائی اور یہی حال آپ کے غلاموں اور خادموں کا رہا ہے اور چونکہ آپ کو اپنی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خاص محبت تھی اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے لئے پسند فرمایا وہی کچھ اپنی بیٹی کے لئے پسند فرمایا چنانچہ حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاطمۃ الزہرا کے گھر تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا سیّدہ نے اپنے گلے میں سے سونے کی ایک زنجیر اتاری اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھا کر عرض کی۔ ابا جان! یہ ابوحسن (علی) نے مجھ کو تحفہ دیا ہے۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ

لوگ کہیں کہ فاطمہ بنت محمد کے ہاتھوں میں جہنم کی زنجیر ہے؟ یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے اور وہاں نہ بیٹھے۔ فاطمہ نے اسی وقت اس زنجیر کو بیچ دیا' جو قیمت ملی اس سے ایک غلام خرید کر راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو فرمایا' سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے فاطمہ کو دوزخ سے نجات دی۔

(مستدرک حاکم ج ۳/۱۵۳)

تسبیح فاطمہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدہ فاطمہ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینے میں درد ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے قیدی تمہارے باپ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیئے ہیں ایک لونڈی ہی مانگ لاؤ۔ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ خدا کی قسم چکی چلاتے اور جَو پیستے ہوئے میرے ہاتھوں میں بھی چھالے پڑ گئے ہیں

اور مجھے گھر کا سارا کام خود کرنا پڑتا ہے چنانچہ سیّدہ گئیں۔ اتفاق سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت گھر میں تشریف فرما نہیں تھے تو وہ اپنا مقصود اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کر کے واپس آ گئیں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو اُم المومنین نے سیّدہ کا آنا اور لونڈی کا طلب کرنا بیان کیا۔ اسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیّدہ کے مکان پر تشریف لائے۔

اور فرمایا کیا تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو اُس سے بہتر ہو جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں' ارشاد فرمایئے' فرمایا: رات کو سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

(بخاری و زرقانی علی المواہب)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں۔

اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہمارے پاس کوئی بچھونا تک نہیں

ہے سوائے ایک مینڈھے کی کھال کے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس میں اپنے اونٹ کو چارہ وغیرہ ڈالتے ہیں' آپ نے فرمایا بیٹی صبر کرو' موسیٰ بن عمران نے اپنی بیوی کے ساتھ دس برس اسی طرح گزارے تھے۔ کہ ان کے واسطے کوئی بچھونا وغیرہ نہ تھا سوائے ایک چادر کے جو چھوٹی سی تھی۔ (زرقانی علی المواہب)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کے وقت سیّدہ فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے' میں بھی آپ کے ساتھ تھا دروازے پر پہنچ کر فرمایا' السلام علیکم بیٹی' ایک شخص میرے ساتھ ہے ہم اندر آ جائیں' سیّدہ نے کہا یارسول اللہ میرے بدن پر ایک پرانی کملی کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے اور اس سے سارا بدن نہیں چھپتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پرانی چادر ان کی طرف پھینک دی۔ جس سے انہوں نے اپنا بدن چھپایا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ فرمایا بیٹی کیا حال ہے عرض کیا: ابا جان! کل سے کچھ نہیں کھایا' فاقے سے ہوں بھوک نے بہت تنگ کیا ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا بیٹی تین دن سے میں نے خود کچھ نہیں کھایا۔ حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور اس کے نزدیک تم سے زیادہ مکرم ہوں اور اگر میں اس سے سوال کروں تو وہ مجھے ضرور کھلائے لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دے کر خود فقر و فاقہ اختیار کیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کاندھوں پر رکھ کر فرمایا بیٹی تو خوش رہ کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور تیرا نکاح میں نے اس سے کیا ہے جو دنیا و آخرت میں سردار ہے پس تو اپنے شوہر کے ہمراہ (صبر و شکر کے ساتھ) قناعت کر۔ (کیمیائے سعادت' حلیۃ الاولیاء' نزہۃ المجالس ج ۲/۱۷۵)

فقر و فاقہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بہ نیت اجر بھوکا رہے گا قیامت کی سختی سے محفوظ رہے گا۔ (کنز العمال)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا بہشت کا دروازہ برابر کھٹکھٹاتی رہا کرو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ بہشت کا دروازہ کا ہے سے کھٹکھٹائیں؟ فرمایا بھوک اور پیاس سے۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت جحیفہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ڈکار آئی' آپ نے فرمایا اس ڈکار کو دور رکھ' اس لئے کہ جو اس جہان میں بھوکا ہے وہ اس جہان میں بھی بھوکا ہوگا (کیمیائے سعادت)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھوکے اور پیاسے رہ کر اپنے ساتھ جہاد کیا کرو کیونکہ اس کا ثواب کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے برابر ہے (کیمیائے سعادت)

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ افضل ترین شخص کون ہے؟ فرمایا جو تھوڑا کھائے' تھوڑا سوئے' تھوڑا ہنسے' اور تھوڑے کپڑے پر قناعت کرے' اور تفکر کرے۔ (کیمیائے سعادت)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا:

یارسول اللہ! خدا کی قسم میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا دیکھ کیا کہہ رہا ہے؟ کہا خدا کی قسم واقعی میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں اور یہ تین مرتبہ کہا' فرمایا اگر تو واقعی مجھ کو محبوب رکھتا ہے تو فقر و فاقہ کے لئے تیار ہو جا' کیونکہ جو مجھ کو محبوب رکھتا ہے فقر و فاقہ بہت جلد اس کی طرف آتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں تین دن برابر گیہوں کی روٹی کسی نے نہیں کھائی۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اہل و عیال کئی کئی راتیں بھوکے ہی گزارتے تھے اور جب کبھی کھاتے تو جو کی روٹی ہوتی۔ (ترمذی)

حضور علیہ السلام کا فاقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی

شکم سیر ہو کر نہیں کھایا اور کبھی فاقہ کا شکوہ کسی سے نہیں فرمایا۔ فرماتی ہیں میں بعض دفعہ آپ کے فاقے کی حالت دیکھ کر رونے لگ جاتی۔

اور اپنا ہاتھ آپ کے پیٹ پر پھیرا کرتی (جو فاقہ سے دبا ہوا ہوتا) اور کہا کرتی کہ میری جان آپ پر فدا ہو' دنیا میں سے اتنا ہی قبول فرما لیجئے جو (جسمی) توانائی کے قائم رکھنے کو کافی ہو تو جواب میں فرماتے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مجھے دنیا سے کیا کام میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے زیادہ سخت حالت میں صبر کیا کرتے تھے۔ (شفا شریف)

دنیا بارگاہِ رسالت میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور جبریل امین مکہ معظّمہ میں کوہ صفا پر تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے شام کو آل محمد کے پاس ایک مٹھی آٹا اور ایک ہتھیلی بھر ستو بھی نہیں ہوتا۔ یہ کلام پورا ہونے بھی نہیں پایا تھا کہ آسمان سے ایک ہول ناک آواز آئی۔ فرمایا جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا اسرافیل کو آپ کے پاس حاضر ہونے کا حکم ہوا ہے چنانچہ وہ حاضر ہو گئے اور کہا کہ جو آپ نے کلام فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سنا اور آپ کے پاس مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے کر بھیجا ہے۔ کہ میں یہ کنجیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اور تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد' یاقوت' چاندی اور سونا بنا دوں اگر آپ اس پر راضی ہیں تو میں ابھی یہ کام کر دیتا ہوں' آپ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے نبی بادشاہ بنیں یا نبی بندے' آپ نے فرمایا: میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ خود اختیار فرمایا اور اس فقر و فاقہ کو غنا پر ترجیح دی اور پھر جس صبر شکر کے ساتھ آپ نے اور آپ کی ازواج مطہرات و اہل بیت اطہار نے زندگی گزاری اس کی مثال نہیں ملتی چنانچہ درج ذیل روایات اس کی روشن دلیل ہیں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں' اس وقت ان کا چہرہ زرد ہو رہا تھا حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ان کا چہرہ دیکھ کر پہچان گئے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک ان کے گلے کے نیچے جہاں ہار ہوتا ہے رکھ کر انگلیوں کو کشادہ کیا اور فرمایا؟

اے اللہ بھوکوں کو سیراب اور پست کو بلند کرنے والے! فاطمہ بنت محمد کو بلند کر عمران فرماتے ہیں میں نے سیّدہ کو دیکھا کہ بھوک کے آثار ان کے چہرے سے جاتے رہے کچھ عرصہ بعد میں سیّدہ سے ملا اور پوچھا تو فرمایا (اے عمران) اس کے بعد مجھے بھوک سے کبھی اذیت نہیں ہوئی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم سب کو ایک وقت کے بعد کھانا میسر ہوا۔ والد بزرگوار میں اور امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کھا چکے تھے والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابھی کھانا تھا کہ دروازے پر آ کر ایک سائل نے یوں سوال کیا' رسول اللہ کی بیٹی پر سلام ہو' میں دو وقت کا بھوکا ہوں' مجھے کھانا دو' یہ سن کر والدہ ماجدہ نے مجھ سے فرمایا جاؤ یہ کھانا اس سائل کو دے آؤ' مجھے تو ایک وقت کا فاقہ ہے اور اس نے دو وقت سے نہیں کھایا۔ (سیرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

جہیز کی قمیص

محدث ابن جوزی نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نئی قمیص سیّدہ کو جہیز میں دی تھی' کچھ عرصے کے بعد ایک سائل نے سیّدہ کے دروازے پر آ کر سوال کیا' اے نبی کے گھر والو میں محتاج ہوں' کوئی پھٹا پرانا کپڑا ہو تو مجھ کو دے دو سیّدہ کے پاس اس وقت ایک پرانی قمیص تھی' فرماتی ہیں جب اس کے دینے کا ارادہ کیا تو فوراً یہ آیہ مبارک یاد آئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲)۔

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔

فوراً اپنی پرانی قمیص رکھ دی اور سائل کو اپنی نئی قمیص دے دی۔ (نزہۃ المجالس)

فاروق اعظم کی جلالت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر یوں گستاخی کی' اے محمد کیا تو ہی وہ جادوگر ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اس کے وجود کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا۔ خدا کی قسم اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری قوم مجھ سے ناراض ہوجائے گی تو میں اس تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔ (معاذ اللہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر چاہا کہ اس بے ادبی اور گستاخی کا جواب دیا جائے مگر سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا کہ تو آخرت کے عذاب سے ڈر اور دوزخ کے عذاب سے خوف کھا' بتوں کی پوجا چھوڑ دے اور خدائے وحدہ لاشریک کی پوجا و پرستش کر۔ میں جادوگر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن خلق اور اس پُر تاثیر کلام کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ قاتلانہ جذبات رکھنے والا بت پرست کافر اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اسے قرآن مجید کی چند آیتیں سکھا دو۔ جب وہ سیکھ چکا تو فرمایا۔ تیرے پاس کس قدر مال ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! خدا کی قسم قبیلہ بنی سلیم میں چار ہزار آدمی ہیں لیکن مجھ سے زیادہ ان میں کوئی فقیر نہیں ہے آپ نے صحابہ کرام کی طرف دیکھ کر فرمایا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اسے اونٹ خرید کر دے سکے اللہ تعالیٰ اس کو بہتر بدلہ دے گا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس ایک اونٹنی ہے وہ میں اس کو دے دیتا ہوں۔ پھر فرمایا کون ہے جو اس کا سر ڈھانپ دے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دستار مبارک اتار کر اس کے سر پر رکھ دی' پھر فرمایا کون ہے جو اس کے کھانے کا اسی وقت انتظام کر دے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور چند مکانوں پر گئے لیکن اتفاق

سے کچھ نہ ملا۔ پھر سیّدہ فاطمہ کے مکان پر حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا یا سیّدہ نے فرمایا کون ہے؟ عرض کیا میں سلمان فارسی ہوں' فرمایا کیسے آئے ہو؟ حضرت سلمان نے سارا ماجرا سنایا۔ سیّدہ سن کر آبدیدہ ہو گئیں' اور فرمایا اے سلمان اس خدا کی قسم جس نے میرے باپ کو رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بنا کر بھیجا ہے۔ آج تیسرا دن ہے کہ ہم سب فاقے سے ہیں لیکن تم دروازے پر آ گئے ہو خالی کیسے واپس کروں۔ جاؤ یہ چادر لے جاؤ اور شمعون یہودی کے پاس جا کر کہو کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ چادر رکھ لو اور تھوڑے سے جو قرض دے دو۔ حضرت سلمان اس چادر کو لیکر شمعون کے پاس آئے اور سارا حال بیان کیا۔

شمعون کچھ دیر تک اس ردائے مبارک کو دیکھتا رہا ناگاہ اس پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ اور کہنے لگا" اے سلمان! واللہ وہ مقدس لوگ ہیں جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو تورات میں دی ہے' میں صدق دل سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں' یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا"۔ اس کے بعد اس نے حضرت سلمان کو جو دیئے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ ردائے مبارک واپس کر دی۔ سیّدہ نے شمعون کو دعائے خیر دی اور جو پیس کر کھانا تیار کر کے حضرت سلمان کو دے دیا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا کہ اس میں سے کچھ بچوں کے لئے رکھ لیجئے فرمایا' بس خدا کی راہ میں دینے کی نیت سے منگوایا اور پکایا ہے اب اس میں سے لینا درست نہیں' حضرت سلمان وہ روٹی لیکر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا سنایا' آپ نے وہ روٹی اس نومسلم کو عطا فرما دی اور اپنی نور نظر لخت جگر سیّدہ فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے ان کا چہرہ زرد ہو رہا ہے اور ضعف کے آثار نمایاں ہیں' آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کو بٹھا کر تسکین دی اور آسمان کی طرف رخ انور کر کے کہا:

اے اللہ فاطمہ تیری باندی ہے اس سے راضی رہنا (سیرت فاطمہ) ایک مرتبہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئیں' آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا میں نے ایک روٹی پکائی تھی' جی نہیں چاہا کہ آپ کے بغیر کھالوں' فرمایا بیٹی یہ پہلا کھانا ہے جو تین دن کے بعد تیرے باپ کے منہ میں جائے گا۔ (کیمیائے سعادت)

قرآن سے محبت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھانا پکانے کی حالت میں بھی قرآن کی تلاوت جاری رکھتیں ---- نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب نماز کے لئے تشریف لاتے اور راستے میں سے سیّدہ کے مکان پر سے گزرتے اور گھر سے چکی کے چلنے کی آواز سنتے تو نہایت درد و محبت کے ساتھ بارگاہ ربّ العزت میں دعا کرتے' یا ارحم الراحمین! فاطمہ کو ریاضت وقناعت کی جزائے خیر عطا فرما اور اسے حالت فقر میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما (سیرت فاطمہ)

عبادت کی کثرت

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مرتبہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شام سے صبح تک عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ و زاری اور نہایت عاجزی سے التجا و دعا کرتے دیکھا ہے مگر میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ دعا میں اپنے واسطے کوئی درخواست کی ہو بلکہ آپ کی تمام دعائیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کی بخشش اور بھلائی کے لئے ہوتیں۔ (مدارج النبوت)

وہ شب بیدار وہ حرف رکوع و سجدۂ پیہم
وہ جن کی ذات پر نازاں حضور رحمت عالم

سلمان فارسی کی رقت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے سیّدہ فاطمہ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ حسنین کریمین سو رہے ہیں اور آپ ان کو پنکھا کر رہی تھیں۔ اور زبان سے کلام الٰہی کی تلاوت

جاری تھی یہ دیکھ کر مجھ پر ایک خاص حالت رقت طاری ہوگئی۔

خود بخود چلنے والی چکی

حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا' دوپہر کا وقت تھا' نہایت شدت کی گرمی پڑ رہی تھی' میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر حاضر ہوئی دروازہ بند تھا اور چکی کے چلنے کی آواز آ رہی تھی' اور چکی خود بخود چل رہی تھی اور پاس ہی حسنین کا گہوارہ بھی خود بخود ہل رہا تھا' یہ دیکھ کر میں نہایت حیران و متعجب ہوئی اور اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اس شدت کی گرمی میں فاطمہ روزے سے ہے' پروردگار عالم نے فاطمہ پر نیند غالب کر دی۔ تاکہ اس کو گرمی کی شدت اور تشنگی محسوس نہ ہو۔ اور ملائکہ کو حکم دے دیا کہ وہ فاطمہ کے کام سرانجام دیں۔

وہ خاتونِ جناں، معصوم حوریں باندیاں جن کی
مَلک جنت سے آ کر پیستے تھے چکیاں جن کی

مسلمان خواتین کو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقدس حالات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ کس قدر افسوس ہے ان خواتین پر جو باوجود اس قدر راحتوں کے میسر ہونے کے' پھر بھی شکوہ و شکایت کرتی ہیں اور اپنے فرائض سے غافل رہتی ہیں اور نماز تک نہیں پڑھتیں۔

اے کاش وہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت مبارکہ سے سبق حاصل کریں اور دنیا و آخرت میں بیشمار رحمت و برکت اور اجر و ثواب کی مستحق بنیں۔ مسلمان خواتین کو یہ جان لینا چاہیے کہ ان کی نجات سیّدہ کے اتباع اور اسلامی احکام کی پابندی کرنے ہی میں ہے۔

پیکرِ شرم و حیا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حیا ایمان کا ایک جزو ہے اور ایماندار جنت میں جائے گا اور بے حیائی بدی ہے اور بدکار دوزخ میں جائے گا۔ (ترمذی، احمد مشکوۃ صفحہ ۴۲۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حیا و ایمان دونوں لازم و ملزوم ہیں جب ان دونوں میں سے ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ (بیہقی مشکوۃ صفحہ ۴۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات انبیائے سابقین کے کلام میں سے ہے۔ کہ جب تو نے شرم و حیا نہیں کی تو اب جو تیرا دل چاہے کر (بخاری، مسلم)

نبی کریم علیہ التحیۃ التسلیم کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے، کہ آپ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم و حیا والے تھے۔

آجکل کی لڑکیاں توبہ توبہ

کنواری لڑکیوں کی شرم و حیا مشہور تھی، چنانچہ لوگ مثال دیا کرتے تھے کہ فلاں تو کنواری لڑکیوں کی طرح شرماتا ہے، لیکن آج کل سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی کنواری لڑکیاں اور لڑکے جو کچھ کر رہے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں (الا ماشاء اللہ) نا جانے مسلمان قوم غیرت و شرافت اور شرم و حیا کو چھوڑ کر کیوں بے غیرت اور بے حیا ہوتی جا رہی ہے؟

ہوا مَسموم ہوتی جا رہی ہے — فضا مَغموم ہوتی جا رہی ہے
ستم ہے بِنتِ مسلم کی نظر سے — حیا مَعدُوم ہوتی جا رہی ہے

محترم قارئین کرام! حقیقت میں یہ ساری خرابی سینما، بے پردگی اور مروج غلط تعلیم کی ہے کتاب و سنت اور بزرگان دین کی مقدس زندگیوں کے حالات کی بجائے ہمارے پیش نظر رومانی لغو افسانے اور فلمی ستاروں کے حالات ہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں ڈرامے، ناچ اور گانا وغیرہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ ان چیزوں کے تاثرات کے خطرناک

نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ خدا کرے کہ مسلمان بچے اور بچیاں بے سود ناولوں اور افسانوں کی بجائے کتاب وسنت اور بزرگان دین کے پاکیزہ حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں۔ اور والدین کو بھی اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے کا شوق ہو۔ آمین ثم آمین۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں چند افراد ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ قرآن و سنت میں کہیں پردے وغیرہ کا ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ضروری ہے کیونکہ اس سے صحت خراب ہو جاتی ہے اور عورتیں بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں' پردہ ایک قسم کی قید اور حبسِ بے جا ہے' مانع تعلیم و ترقی وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ)

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پردے کے متعلق بھی چند عقلی و نقلی دلائل ہدیہ قارئین کر دیئے جائیں۔

بلاشبہ یہ غلط خیالات' یورپ کی طرز زندگی پر فریفتہ ہو جانے کا نتیجہ ہیں اور اسی کا نام دین فراموشی اور نفس پرستی ہے فرنگی اقوام کی رنگ رلیاں دیکھ کر نفس چاہتا ہے کہ اسی طرح کی رنگ رلیاں منائی جائیں اور نفسانی لطف و سرور حاصل کیا جائے۔ باقی تعلیم و ترقی کی باتیں تو بہانے ہیں۔ ورنہ اسلامی پردہ نہ مانع ترقی و تعلیم ہے اور نہ باعث خرابیٔ صحت' یہ ایک وہم اور غلط خیال ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ مسلمان تمام دنیا میں عزت و برتری کے تنہا مالک تھے۔ ترقیات کی تمام منازل میں دنیا کی ساری اقوام سے آگے آگے تھے۔ اسلامی پردہ اس وقت بھی موجود تھا اس زمانے کی بڑی بڑی عالم و فاضل خواتین کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بلاشبہ ان کے علمی اور مجاہدانہ کارنامے لائق صد تحسین اور مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہیں۔ ان خواتین اسلام نے کبھی یہ نہ چاہا' ہمیں پردے سے آزادی ملنی چاہئے' کیونکہ یہ مانع ترقی اور باعث خرابی صحت ہے اور نہ اس وقت کے غیور اور بہادر مسلمانوں کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا ہوا کہ پردہ مانع ترقی ہے اور باعث خرابی صحت ہے بات دراصل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے کتاب وسنت کو پڑھنا اور ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منہ موڑ بیٹھے تو ہم سے سربلندیاں چھین لی گئیں اور ہم پستی و تنزل کی گہرائیوں میں

جا گرے۔ اگر پردے کو مانع ترقی قرار دیا جائے تو پھر قرونِ اولیٰ کے مسلمان جو پردۂ نسواں کے سختی سے پابند تھے کیوں کر ترقی کر گئے تھے حقیقۃً ہمارے تنزل کا باعث پردہ نہیں بلکہ بے پردگی اور ترکِ کتاب وسنت ہے۔

پردہ کیوں ضروری ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موزوں اور متناسب اور حسین و جمیل اشیاء کی طرف قلوب ونفوس کا میلان طبعی امر ہے' یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پسند کر لیتا ہے تو پھر اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے' اس واسطے ہر دُکان دار اپنی حسین وجمیل اشیاء کا برسر بازار مظاہرہ کرتا ہے تا کہ لوگوں کی نظر ان پر پڑے اور وہ ان کی خوبیوں سے مطلع ہو کر ان کو حاصل کریں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ان کو چھپا کر رکھ چھوڑا اور کسی کی نظر ان پر نہ پڑی تو کسی کے دل میں ان کے حصول کا جذبہ پیدا نہیں ہو گا کیونکہ حصول کا جذبہ تو دیکھنے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے۔ جب آپ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں تو انصاف سے بتائیے کہ اگر ایک حسین وجوان عورت اپنے حسن و جمال' زینت و آرائش کے ساتھ بے حجاب لوگوں کے سامنے آئے گی تو جو لوگ شہوات نفسانی رکھتے ہیں اور وہ منجانب اللہ معصوم ومحفوظ بھی نہیں ہیں کیا وہ متاثر نہیں ہوں گے اور پھر وہ چاہیں گے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے جذبات کو بجھائیں اور کچھ نہیں تو قصداً بار بار نظر کر کے لطف اندوز ہوں گے' اور پھر یہی لطف اندوزی ایک عادت بن جائے گی جو آگے چل کر بے حیائی کے ارتکاب اور فتنہ وفساد کا موجب بنے گی۔ خدا کی قسم ہماری عزت و آبرو کی حفاظت اسی میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس ارشادات پر عمل پیرا ہو کر پردے کی پابندی کریں اور کروائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"میرے حبیب مسلمان مردوں کو حکم دو' اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو دو' اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں

اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔" (النور)

فتنہ وفساد اور بے حیائی کی ابتداء بدنظری سے ہی ہوتی ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی دروازے کو بند فرمایا' مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر حکم دے دیا کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست اور غیروں کی دید سے باز رکھیں اور اپنی شہوات کو اپنے قابو میں رکھیں' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد اور عورتیں ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہیں اور کبھی اوپر نہ دیکھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے حسن و جمال اور زینت و آرائش سے متاثر اور لطف اندوز ہوکر ایک دوسرے کی طرف میلان نہ کریں کہ یہ فتنہ کا موجب ہے۔

اسی واسطے وہ پہلی نظر جو اچانک بلا قصد وارادہ پڑ جاتی ہے معاف ہے بشرطیکہ اس کو فوراً واپس پھیر لیا جائے کیونکہ وہ ان تاثرات سے مبرا ہوگی ہاں وہ دوسری نظر جو قصد وارادہ سے ڈالی ناجائز ہوگی کیونکہ اس کے اندر خواہش نفس کا ضرور دخل ہوگا۔

(علاج و معالجہ کے موقع پر طبیب کا اجنبیہ مریضہ اور اس کے جسم کے کسی حصے کو دیکھنا' یا کوئی اجنبیہ جو ڈوب رہی ہو یا اس کی جان یا عزت و آبرو کسی خطرے میں ہو تو اس کو بچاتے وقت اس کے چہرے پر' اس کے ستر وغیرہ پر نظر پڑ جائے تو یہ مستثنیٰ ہے)

عورتوں کے لئے بہترین چیز

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ عورت کے لئے کون سی چیز بہتر ہے؟ تمام صحابہ خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کہ عورت کے لئے کون سی چیز بہتر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور پوچھا' کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ سیدہ نے فرمایا کہ نہ وہ مردوں کو دیکھے اور نہ مرد ان کو دیکھیں' حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ کا جواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جگر کا

ٹکڑا ہے۔ (بزار، دارقطنی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب سمجھی ہیں اور ان کا جواب بالکل درست ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا، آخر وہ میرا جزو بدن ہی ہیں، نگاہوں کو نیچے رکھنے کا حکم تو مرد اور عورت دونوں کے لئے تھا اس کے بعد بالخصوص عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں" (الاحزاب ۵۹)

عورتیں چہرہ کیوں چھپاتی ہیں؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شہر کے اندر اکثر مکانوں میں بیت الخلا وغیرہ نہیں ہوتا تھا، اس لئے شرفاء کی عورتوں کو بھی لونڈیوں کی طرح قضائے حاجت کے لئے بستی سے باہر جانا پڑتا تھا بدکردار لوگ ان کا پیچھا کرتے اور ان سے ہنسی مذاق کیا کرتے۔ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ تم شریف زادیوں کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہو؟ وہ کہتے یہ تو لونڈیاں ہیں۔ شریف زادیاں تھوڑا ہی ہیں۔ ورنہ ہماری کیا مجال ہے۔ اس پر یہ آیت اتری:

"اے محبوب! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ چادروں یا برقعوں سے اپنے سروں اور چہروں کو چھپا کر نکلیں، تاکہ لباس سے ان کے اور لونڈیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے اور لوگ پہچان لیں کہ یہ شریف زادیاں ہیں، لونڈیاں نہیں، پھر بدکار لوگ ان کا پیچھا وغیرہ نہیں کیا کریں گے اور اس طرح وہ بدکاروں کی اذیت سے محفوظ رہیں گی"۔

جسم انسانی میں چونکہ سب سے زیادہ خوبصورت اور اعلیٰ مقام چہرہ ہوتا ہے اور چہرہ دیکھ کر ہی قلبی میلان ہوتا ہے اس لئے چہرے کو چھپانے کا حکم دیا گیا تاکہ نہ کسی کی نظر پڑے اور نہ قلبی میلان ہو۔ گھروں میں عام طور پر عورتیں بے تکلفی سے رہتی ہیں

کیونکہ گھر میں کوئی غیر محرم نہیں ہوتا اس لئے اجنبی لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے کے گھر بغیر اجازت نہ جائیں۔

فرمایا: اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ' جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو۔ (القرآن)

اور اگر کوئی ایسا موقع پیش آجائے کہ غیر محرم عورت سے کچھ کام ہو یا کچھ لینا ہو تو فرمایا:

اور جب تم ان (عورتوں) سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی۔

(احزاب)

کیونکہ اس طرح تمہاری نظر ان کے چہرے اور حسن و جمال اور زینت و آرائش پر نہیں پڑے گی اور ان کی نظر تم پر نہیں پڑے گی اور مفاسد کے دروازے نہیں کھلیں گے اور قلوب' ناپاک جذبات سے محفوظ رہیں گے۔

پردہ ہو تو ایسا

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کے کسی بچے کو مانگا تو آپ نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دیا۔ (فتح القدیر)

حالانکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور عزیزوں کی طرح آپ کے پاس رہتے تھے پھر بھی سیّدہ نے پردہ فرمایا اور سامنے نہ ہوئیں' اللہ تعالیٰ کے ارشاد من وراء حجاب اور سیّدہ کے مبارک اور پاکیزہ عمل سے یہ معلوم ہوا کہ روبرو ہونا فتنہ کا موجب ہو سکتا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت اجنبی مرد' عورتوں سے کوئی چیز وغیرہ لے سکتے ہیں اور گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔ اور عورتوں کو بوقت ضرورت ان سے گفتگو کرنے کی اجازت ہے مگر اس میں یہ شرط ہے فرمایا:

"تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے" (احزاب)

چونکہ عورتوں کی آواز میں قدرتی طور پر ایک نرمی اور نزاکت وحلاوت ہوتی ہے جو اثر کئے بغیر نہیں رہتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دے دیا کہ غیر مردوں سے جب گفتگو کرو تو نرم و نازک اور شیریں لہجہ اختیار نہ کرو بلکہ اپنی آواز میں قدرے سختی اور روکھا پن پیدا کرو تا کہ کوئی بد باطن غلط فہمی کا شکار ہو کے تم سے کوئی غلط امید نہ وابستہ کرے' اہل انصاف سے توقع ہے۔ کہ وہ ان چند سطور کو پڑھ کر پردے کی اہمیت سمجھیں گے اور جان لیں گے کہ ہماری عزت و آبرو کا تحفظ اسلامی پردے ہی میں ہے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اندر یہ وصف جمیل خاص طور پر تھا کہ آپ پردے کی سخت پابند اور شرم و حیا کا مجسمہ تھیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ نہ کسی غیر محرم کو دیکھیں اور نہ کوئی غیر محرم ان کو دیکھے (کمامر)

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ عورتیں بغیر کسی اشد ضرورت کے دوسری عورتوں کو ننگے بدن نہ دیکھا کریں' اگر کوئی عورت دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھ لے تو اس کے بدن کی ساخت اور اس کے متناسب اعضاء کی تعریف اپنے شوہر کے سامنے نہ کرے۔

(سیرت فاطمہ)

پل صراط پر بھی پردہ

آپ کی شرم و حیا کا لحاظ اور پاس خداوند ستار کو بھی ہے' چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا پردے میں سے ندا کرے گا کہ اے حشر کے میدان میں جمع ہونے والو اپنی نگاہیں جھکا لو یہاں تک کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزر جائیں چنانچہ آپ ستر ہزار باندیوں کے ساتھ جو حوریں ہوں گی بجلی کی طرح گزر جائیں گی۔ (حاکم ونزہۃ المجالس)

اللہ تعالیٰ مسلمان خواتین کو سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نقش قدم پر چلنے اور پردے

کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اگر پندے ز درد دیشے پزیری ہزار امت بمیر تو نیمری
تبے باش پنہاں شوازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

(علامہ اقبالؒ)

صبر و رضا

اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

تو تم اچھی طرح صبر کرو

اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا ہے۔

صبر کا اجر دنیا میں

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ (انفال:۴۶)

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صابروں کو دنیا میں اللہ کی خاص معیت حاصل ہوتی ہے۔

"اور (اے محبوب) خوشخبری سنا دو ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اس کی طرف پھرنا ہے اور یہ لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بوقت مصیبت صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا جینا مرنا اللہ کے لئے ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اور رحمتوں کی بارش ہوتی ہے "اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بناتے جب کہ انہوں نے صبر کیا (السجدۃ:۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صابروں کو صبر کے بدلے ائمہ ہدایت بنایا۔

"اور امام اس قوم کا جو دبا لی گئی ہے اس زمین کے پورب اور پچھم کا وارث کر دیا جس میں ہم نے برکت رکھی اور تیرے ربّ کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا" (الاعراف)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم بنی اسرائیل، جس کو فرعون نے انتہائی ظلم و ستم کر کے کمزور کر دیا تھا، یہ صرف اس کے صبر و استقلال کا بدلہ تھا کہ وہ ملک مصر کی سلطنت وحکومت کی وارث بن گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حسن اخلاق، دعوۃ الا الحق، صالح کردار، برائی کی مدافعت اور نیکی وخوبی یہ حسین ترین صفات

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا (حٰم السجدۃ: ۳۵)

ترجمہ: اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو۔

صبر کا اجر آخرت میں

"مگر جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کیے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔"

(ھود)

ان کو جنت کا سب سے اونچا بالا خانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے سے اور سلام کے ساتھ ان کی پیشوائی ہوگی۔ (الفرقان)

ان کو ان کا اجر دو بالا دیا جائے بدلہ ان کے صبر کا۔ (القصص)

صابروں کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے بے گنتی۔ (الزمر)

اور وہ جنہوں نے صبر کیا اپنے ربّ کی رضا چاہنے کو اور نماز قائم رکھی اور ہمارے دیئے ہوئے (رزق میں) سے ہماری راہ میں کچھ خرچ کیا چھپے اور ظاہر، اور برائی کے بدلے بھلائی کر کے ٹالتے ہیں انہیں کے لئے پچھلے گھر کا نفع ہے بسنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو لائق ہوں ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں اور فرشتے

ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا (الرعد:۲۲ تا ۲۴)

صابرین کی تعریف

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اپنے صابر بندوں کی تعریف فرماتا ہے۔

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو وہ سب صبر والے تھے (علیہم السلام)(الانبیاء:۸۵) بیشک ہم نے اسے (ایوب علیہ السلام) کو صابر پایا کیا ہی اچھا بندہ ہے۔(ص:۴۴)

فرمایا (ابراہیم علیہ السلام) نے میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے ابا جان! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قریب ہے آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔(الصافات:۱۰۲)

ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر اور مہربانی کی وصیتیں کیں یہ داہنی طرف والے لوگ ہیں (بڑے نصیب والے) قسم ہے زمانۂ محبوب کی بے شک انسان گھاٹے میں ہے، مگر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

صبر کی تعریف

خواص نے فرمایا ہے کہ صبر کتاب وسنت کے احکام پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔(غنیۃ الطالبین)

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے صبر کے متعلق پوچھا تو فرمایا خلاف طبع کڑوی چیز کو پی جانا صبر ہے (غنیۃ)

اور کہا گیا ہے کہ صبر مصیبت کو بحسن ادب برداشت کرنے کا نام ہے (غنیۃ)

اور کہا گیا۔ ہے کہ شکایت نہ کرنے کا نام صبر ہے (غنیۃ)

خاتون جنت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا صبر' شکر' زہد و تقویٰ' حلم و حیا اور صبر و رضا کا پیکر تھیں' نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا جزوِ بدن اور آپ کے ساتھ خاص نسبت و محبت ہونے کی وجہ سے یہ چیزیں آپ کا جسمانی و روحانی وَرثہ تھیں۔ چنانچہ آپ نے نہایت تنگی و تکلیف میں صبر و استقلال سے وقت گزارا اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی رہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کی ہونے والی شہادت کا شہرہ ہو چکا تھا اور یہ بھی سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا مشہد کربلا ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی شہادت کی خبریں دے دی تھیں کہ میرا یہ بیٹا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرزمین عراق پر جس کو کربلا کہیں گے میری اُمت کے ہاتھوں شہید ہو گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی شک باقی نہ رہا تھا اور اہل بیت بالاتفاق جانتے تھے۔ کہ حسین بن علی طف یعنی کربلا میں شہید ہوں گے۔ (المستدرک حاکم ج ۳/۱۷۹)

باوجود اس کے سیّدہ نے کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض نہ کی کہ ابا جان! آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں اور آپ کی رحمت سے تمام عالم فیض یاب ہے اور آپ کی دعا مستجاب ہے میرے اس لاڈلے حسین کے لئے دعا فرما دیجئے کہ یہ اس جانکاہ حادثے سے محفوظ رہ کر امن و سلامتی میں رہے اور اس کے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں اور نہ ہی خود کبھی دعا کی بلکہ نہایت استقلال سے صبر و رضا کا دامن تھامے رہیں اور کوئی ایسا لفظ تک زبان سے نہ نکالا جس سے صبر و رضا کے خلاف بو آتی۔ اندازہ کیجئے سیّدہ جب اس وقت کا تصور کرتی ہوں گی تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہو گی' مگر اللہ کی رضا پر راضی رہ کر اپنے اس آنکھوں کے نور کو زمین کربلا پر خون بہانے اور راہ خدا میں گلا کٹا کے لئے سینے سے لگا کر پالا اور جوان کیا۔ نیز تنگی و تکلیف میں صبر و تحمل کے ساتھ زندگی کے ایام گزارے اور کبھی شکوہ و شکایت نہ کی۔

وفات شریف کی خبر

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں۔ آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا' مرحبا میری بیٹی! اور پیار و محبت کے ساتھ اپنے ساتھ کر کے آہستہ آہستہ ان سے کچھ باتیں کیں۔ جن سے سیّدہ زار زار رونے لگیں' جب آپ نے ان کے حزن و ملال کو دیکھا تو پھر آہستہ آہستہ ان سے باتیں کیں جن سے وہ مسکرائیں' فرماتی ہیں' میں نے سیّدہ سے پوچھا کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے تم سے کیا گفتگو فرمائی ہے جس سے پہلے تم روئیں اور پھر مسکرائیں' سیّدہ نے فرمایا میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز کو افشا کرنا پسند نہیں کرتی۔ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی وفات شریف ہوگئی تو میں نے سیّدہ سے کہا کہ میں تمہیں قسم دیتی ہوں اور اس حق کا واسطہ دیتی ہوں جو میرا تم پر ہے' مجھے ضرور اس راز سے آگاہ کرو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم پر ظاہر فرمایا تھا سیّدہ نے فرمایا اب اس راز کو ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بات یہ ہے کہ مجھے پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے فاطمہ! میری وفات کا وقت آگیا ہے اور میں تم سے جدا ہونے والا ہوں پس تو اللہ سے ڈرتی اور صبر کرتی رہ یہ سن کر میں رونے لگی تھی اور جب آپ نے مجھ کو زیادہ غمگین دیکھا تو دوسری مرتبہ فرمایا تھا۔ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو سارے جہان کی جنت کی عورتوں کی سردار بنے؟ نیز فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے تو ہی ملے گی یہ سن کر میں خوش ہوگئی اور ہنسنے لگی۔ (مشکوٰۃ' المستدرک)

وفاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف سے اگرچہ تمام صحابہ کرام اور اہل بیت کو بہت صدمہ تھا مگر جس قدر صدمہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچا وہ بیان سے باہر ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت رویا کرتی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو:

فاطمہ یوں کہتی تھیں آہ میرے ابا جان! اپنے رب کو پیارے ہوگئے ہائے میرے ابا جان! اب خلد کے باغات میں ان کا ٹھکانہ ہوگیا۔ ان کا اکرام کرے گا جب آپ

اس کے پاس پہنچیں گے۔ رب تعالیٰ اور اس کے رُسُل ان پر سلام کریں گے جب آپ ان سے ملیں گے۔ (المستدرک للحاکم ج ۳/ ۱۶۳)

آنکھوں میں مٹی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو سیّدہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا کہ تمہارے ہاتھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کرلیا؟ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رونے لگے اور فرمایا' تقدیر الٰہی کے آگے کوئی چارہ نہیں۔

پھر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر شریف پر آئیں اور قبر اقدس کی خاک پاک ایک مٹی اپنی آنکھوں پر رکھی اور بہت روئیں اور یہ شعر پڑھا۔

جس کو احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مزار کی خوشبودار مٹی ملے اسے زمانہ بھر کی خوشبوئیں پسند نہ آئیں گی آپ کی وفات کے بعد جو سخت مصیبتیں مجھ پر آئی ہیں اگر وہ دنوں پر آجاتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۸/ ۲۹۳ و مدارج النبوت ج ۲/ ۴۴۲)

جب دوسری مرتبہ زیارت کو تشریف لائیں تو فرمایا:

جس وقت شوق ملاقات شدت کی صورت اختیار کر جاتا ہے تو روتے ہوئے آپ کی قبر کی زیارت کرنے آجاتی ہوں اور شکوہ کرتی ہوں' جب دیکھتی ہوں کہ آپ جواب نہیں دیتے۔

اے قبر انور میں آرام فرمانے والے میری گریہ و زاری دیکھئے' ان تمام مصائب میں آپ کی یاد ہی میرا سکون قلب ہے۔

اگرچہ آپ بظاہر خاک قبر میں مجھ سے غائب ہیں مگر میرے قلب حزیں سے غائب نہیں ہیں۔

یہ اشعار آپ ہی نے فرمائے ہیں:

میری جان درد و غم اور رنج والم میں گھر گئی ہے' اے کاش! یہ جان درد و غم کے

ساتھ ہی نکل جاتی۔

آپ کے بعد جینے میں کوئی بہتری نہیں ہے اور میں نہیں روتی اس خوف سے کہ کہیں میری حیات لمبی نہ ہو جائے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲/ ۴۴۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات اور جدائی کے صدمے میں آپ اس قدر غمگین تھیں کہ آپ کے رنج وغم اور گریہ وزاری سے دوسرے لوگ بھی متاثر تھے چنانچہ ہندہ بنت اثاثہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پر جو مرثیہ لکھا اس میں یہ اشعار بھی ہیں۔

اے فاطمہ! اس وفات پانے والے کے صدمے میں تیرے گریہ نے میرے بال سفید کر دیئے اور مجھ کو خفیف کر دیا ہے۔

اے فاطمہ! صبر کر بے شک تیری معیت نے تہامہ ونجد کے لوگوں کو غمزدہ کر رکھا ہے۔

اور خشکی وتری والے سب اس میں شریک ہیں' اس مصیبت نے کسی کو تنہا نہیں چھوڑا۔ (طبقات ابن سعد)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی نے آپ کی وفات کے صدمے میں کھانا پینا چھوڑ دیا تھا (ارج) چنانچہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات سیّدہ کو آپ کی اونٹنی ''عصبا'' ملی۔

تو اس نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی تجھ پر سلام ہو۔ کیا آپ اپنے باپ کو کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں کیونکہ میں ان کے پاس جارہی ہوں تو سیّدہ یہ سن کر رونے لگیں اور اونٹنی نے اپنا سر سیّدہ کی گود میں رکھا اور اسی وقت مر گئی تو اس کو کفن دے کر دفن کر دیا گیا۔ تین روز کے بعد قبر کھود کر دیکھا تو وہ قبر میں بالکل نہیں تھی۔

حضرت ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیّدہ فاطمہ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا سوائے اس دن کے جس دن آپ کی بیماری کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تھا

اور سیّدہ آپ کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲/ ۴۳)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

کہ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھ ماہ بعد وفات پائی اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲/ ۴۳)

الغرض! آپ نے چھ ماہ اپنے والد ماجد کی جدائی میں رو رو کر بڑی مشکل سے گزارے انتقال کے روز آپ نے مبالغہ سے غسل فرمایا اور پاکیزہ کپڑے پہن کر نماز ادا فرمائی اور بعد ازاں اپنا داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور فرمایا: میں اپنی جان خدا تعالیٰ کے سپرد کرتی ہوں۔ چنانچہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ شب سہ شنبہ کو ہجر و فراق اور درد و غم کی کٹھن منزلوں سے گزر کر یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جگر گوشہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جا ملا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر باختلافِ روایات تقریباً بائیس سال تھی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

آپ کی وفات پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ اشعار کہے:

"جہاں کہیں بھی دو دوست ہیں آخر ان میں جدائی ہو گی اور تمام مصیبتیں جدائی کی مصیبت اور فراق کے صدمے سے کم ہیں۔"

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد فاطمہ کا مجھ سے جدا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ کوئی پیارا دوست ہمیشہ ساتھ نہیں رہ سکتا۔" (المستدرک حاکم ج ۳/ ۱۴۳)

آپ کی وفات شریف سے حسنین کریمین، حضرت زینب و حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بے حد صدمہ ہوا۔

شیرِ خدا، مولائے مشکل کشا، حیدر کرار حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی شجاعت و بہادری، عرب و عجم میں ضرب المثل ہو گئی تھی جن کو بڑی سے بڑی تکلیف بھی افسردہ دل شکستہ نہیں بنا سکتی تھی۔ اس ناقابل برداشت صدمے سے ان کا جگر بھی پارہ پارہ ہو گیا۔

تجہیز و تکفین

حضرت اُم جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا اے اسماء آج کل جس طرح عورتوں کا جنازہ لے کر جاتے ہیں' مجھے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ نعش کے اوپر صرف ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس سے پوری طرح پردہ نہیں ہوتا کہ جسامت وغیرہ نظر آتی رہتی ہے حضرت اسماء نے فرمایا:

اے بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا تھا وہ آپ کو کر کے دکھاتی ہوں۔ انہوں نے تازہ شاخیں لیں اور ان کو چارپائی پر کمان کی طرح لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہ نے دیکھ کر فرمایا یہ تو بہت ہی حسین و جمیل طریقہ ہے اس سے مرد و عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہو جاتی ہے جب میں وفات پاؤں تو میرا جنازہ بھی اسی طرح بنانا) اور تم اور علی دونوں مل کر مجھے غسل دینا اور کسی کو شامل نہ کرنا پس جب سیّدہ کی وفات ہوئی تو حضرت اسماء اور حضرت علی نے ان کو غسل دیا آپ کی اس وصیت کے مطابق آپ کو حضرت علی اور حضرت اسماء زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل دیا اور اسی طرح آپ کی چارپائی پر دو رویہ تازہ شاخیں لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔

نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

اس میں تین قول ہیں' ایک یہ کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی' دوسرا یہ کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے پڑھائی' اور تیسرا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفات سیّدہ کی اطلاع نہ دی' اس وجہ سے وہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے' اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اطلاع نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔ یہ

ناممکن ہے کہ بنت رسول اللہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات ہوئی ہو اور امیر المومنین خلیفہ وقت کو خبر نہ ہو اور پھر جب کہ سیّدہ کو غسل دینے اور ان کے جنازے کو تیار کرنے والی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس ہوں۔

جو لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بوجہ فدک کے ناراضی تھی اور اس ناراضی کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازے کی نماز نہیں پڑھائی' یہ محض ان لوگوں کا اِفتراء ہے جن لوگوں کے دلوں میں' صحابہ کرام کا بغض ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان کوئی ناراضی نہیں تھی (جیسا کہ آئندہ سطور میں آئے گا) اور وہ نماز جنازہ میں شریک ہوئے بلکہ بعض معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کی امامت آپ ہی نے فرمائی' چنانچہ طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹ میں دو سندوں سے مروی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

مشہور مورخ علامہ ابن کثیر نے روایت نقل کی:

کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱/۹۱)

اور نہج البلاغہ کی شرح ابن ابی الحدید کی جلد چہارم صفحہ ۱۰۰ میں صاف روایات موجود ہیں:

کہ بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

سید المحققین حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فضل الخطاب کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ جب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمن بن عوف' حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے اور جب جنازہ دکھایا گیا تا کہ نماز پڑھی

جائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آگے آؤ اور نماز پڑھاؤ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں آگے آؤں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! پس حضرت ابوبکر آگے گئے اور نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبریں کہیں علامہ امام علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاشانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیّدہ کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علی کے امر سے ان کی نماز جنازہ پڑھائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (نزہۃ المجالس ج ۲/۱۷۶)

ان روایتوں سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا کے جنازے میں شمولیت فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے سے امامت فرمائی۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مروی ہے کہ جب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عاص والیٔ مدینہ کو نمازہ جنازہ کے لئے آگے کیا اور فرمایا اگر یہ سنت نہ ہوتی کہ خلیفہ وقت ہی نماز پڑھائے تو میں تمہیں ہرگز آگے نہ کرتا۔

سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں سنت یہی تھی کہ خلیفہ وقت ہی نماز پڑھایا کرتا تھا، لہٰذا بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہی اس وقت خلیفہ برحق تھے (الحمد للہ رب العالمین)

نماز جنازہ کے بعد آپ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔

مسئلہ فدک

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! سیرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں

یہ سوال ضرور آنا چاہئے تھا اور اس کا جواب بھی مفصل ہونا چاہئے تھا میں نے الحمد عزوجل سیرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہت سی کتب کا مطالعہ کیا مگر ہر ایک کتاب میں اس اہم مسئلہ پر گفتگو نہیں کی گئی کسی نے تو اس مسئلہ کو چھیڑا تک نہیں اور اگر کسی نے کچھ لکھا تو وہ بھی اس قدر اختصار کے ساتھ کہ مسئلہ کی سمجھ ہی قاری کو نہ آئی مسئلہ باغِ فدک والا جو تقریباً ہر رافضی کی زبان پر رہتا ہے اور اکثر رافضی لوگ یہ کہتے رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا تھا جسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں غصب کرلیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا تو اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہے؟

فدک کیا ہے؟

محترم قارئین کرام؟ مسئلہ فدک بے حد اہم مسئلہ ہے اور اس میں رافضی لوگ غلطی پر ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل اس مسئلے پر سیر حاصل بات کی جائے گی میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے فدک کیا ہے یہ سمجھا دوں تو آیئے سب سے پہلے یہ سمجھتے ہیں کہ فدک ہے کیا۔

قاموس' لسان العرب' مصباح اللغات' اور صحیح بخاری میں ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے جو مضافات خیبر میں خیبر سے ایک منزل اور مدینہ منورہ سے دو یا تین منزل کے فاصلے پر ہے جہاں کھجوروں کے درخت اور پانی کے بہت سے چشمے تھے اور ان کی تسخیر کے متعلق فتح الباری ''فتوح البلدان'' تاریخ طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب ۷ ہجری میں خیبر فتح ہو گیا تو باقی ماندہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور جب ان پر محاصرے کی سختی زیادہ ہوئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ان کا خون معاف کر دیا جائے اور انہیں خیبر سے چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی یہ عرض قبول فرمائی خیبر سے نکل کر انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ہمیں خیبر ہی میں رہنے دیں تو ہم خیبر کی پیداوار سے نصف آپ کی خدمت

میں پیش کردیا کریں گے۔ اور نصف بطور اجرت خود لے لیا کریں گے نیز باوجود اس کے آپ کو ہر وقت اختیار ہوگا کہ جب چاہیں ہمیں خیبر سے نکال دیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول فرمالیا جب آپ خیبر سے واپس ہوئے تو آپ نے محیصہ بن مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل فدک کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا۔ فدک کے باشندے یہودی تھے اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیجا اور اہل خیبر کی طرح فدک کی پیداوار سے نصف دینے کی درخواست کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اس طرح خیبر، اور فدک اسلام کے قبضے میں آئے خیبر لڑائی کے ذریعے سے اور فدک بغیر لڑائی کے صلح کے ساتھ مفتوح ہوا اصطلاح شریعت میں جو جائیداد یا مال لڑائی کے ساتھ ہاتھ آئے اسے فئے کہتے ہیں معلوم ہوا کہ فک اور اس کی آمدنی مال فئے ہے اور مال فئے کا مصرف قرآن شریف نے صاف اور واضح بیان فرمایا: ارشاد ہوتا ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

(سورۃ الحشر: ۷، ۸)

ترجمہ کنز الایمان: "جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں، اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے کہ تمہارے اغنیا کا مال نہ ہو جائے اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے جو اپنے

گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے وہی سچے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ مال فیئے جو بغیر لڑائی وغیرہ کے ہاتھ آیا تھا وہ کسی کی خاص ذاتی ملکیت نہیں تھا بلکہ اس کے حقدار رسول اور قرابت داران رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ وہ تمام مسلمان تھے جو فقراء و مساکین اور محتاج وغیرہ تھے یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اگر کوئی بادشاہ یا نبی یا امام یا امیر اپنے اقتدار و اثر اور قوت و طاقت سے کوئی جائیداد وغیرہ دشمن سے لڑ کر یا بغیر لڑے صلح سے حاصل کرے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہو جاتی اور نہ اس کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنی اولاد کی ملکیت میں دے دے بلکہ اس کو اپنی زندگی میں صرف حاکمانہ تصرف اور اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ قانون کے مطابق اس کو صرف کرے اور نہ ہی اس کی وفات کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی کہ بطور ورثہ اس کے ورثاء میں تقسیم کر دی جائے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ جائیداد آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھی کیونکہ ذاتی ملکیت تو وہ ہوتی ہے جو وراثۃً ہے یا اپنے کمائے ہوئے مال سے خریدی ہو یہاں دونوں باتیں نہیں ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ اس جائیداد کو جس میں غریب اور محتاج مسلمانوں کا حق تھا وہ صرف سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر کے ان کی ملکیت قرار دے دیتے اس سے تو پھر لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غریبوں اور محتاجوں کا حق مار کر سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا اور اللہ عزوجل کے ارشاد کی پروانہ کی (نعوذ باللہ من ذالك) کوئی مسلمان ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا جس سے آپ کی ذات پر ایک بدنما دھبا آتا ہو ہمارا تو ایمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت ایک امین اور خازن کے اس پر متولیانہ قبضہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کو صرف فرماتے تھے اور پھر ہر سال جس قدر غلہ اور ثمرات وغیرہ فدک سے آتے تھے ان کی مالیت بھی اس قدر نہ تھی جو مسلمانوں کو فکر معاش سے مستغنی کر دیتی چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سے اپنے اہل و

عیال کی معمولی ضرورتوں کے مطابق الگ کر کے باقی مستحق مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور باوجود اس کے عہد رسالت میں مسلمانوں کی جو مالی حالت تھی وہ سب پر عیاں ہے لیکن اب ہمارے مخالفین کی بھی سنئے کہ ان کے نزدیک باغ فدک کیا ہے؟ چنانچہ

باغ فدک کیا ہے؟ شیعوں کی زبانی

ان کے مستند و معتبر علامہ باقر مجلسی ''بحار الانوار'' میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیّدہ معصومہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیل امین آئے اور آ کر کہا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھو! اللہ تعالیٰ نے مجھکو حکم دیا ہے کہ میں اپنے پروں سے آپ کے لئے فدک کی حد بندی کر دوں چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہو لئے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو خاتون جنت کے پوچھنے پر فرمایا کہ جبرئیل نے میرے لئے اپنے پروں سے فدک کی حد بند کر دی ہے اس روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ فدک کے مقررہ حدود کیا تھے اور وہ کس غرض سے قائم کئے گئے تھے لیکن دوسری روایت میں جو اسی کتاب میں علامہ صاحب نے نقل فرمائی ہے فدک کی حدود کا بھی بیان ہے چنانچہ وہ یوں ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی مرتبہ عرض کیا کہ آپ فدک لے لیجئے لیکن آپ برابر انکار کرتے رہے آخر جب خلیفہ نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں فدک اس وقت تک نہ لوں گا جب تک کہ وہ مع حدود کے مجھے نہ دیا جائے خلیفہ صاحب نے مع حدود کے فدک دینے کی قسم کھائی اور حدود دریافت کئے امام صاحب نے فرمایا اس کی پہلی حد ''عدن'' ہے دوسری حد ''سمرقند'' ہے یہ سن کر خلیفہ صاحب کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر امام صاحب نے فرمایا اس کی تیسری حد افریقا اور چوتھی کنارہ سمندر ہے جو آرمینیا سے ملا ہوا ہے خلیفہ نے کہا تب تو آپ نے ہمارے لئے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ امام صاحب نے فرمایا اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ حدود سن کر تم کچھ بھی نہ دو گے اور اسی

میں ایک روایت اور بھی ہے جو نفس مضمون کے لحاظ سے مختلف نہیں مگر اس کے حدود میں اختلاف واقع ہوا ہے چنانچہ اس میں پہلی حد عریش مصر دوسری حد دومۃ الجندل' تیسری احد اور چوتھی سمندر بیان کی گئی ہے جسے سن کر خلیفہ صاحب نے کہا یہ تو ساری دنیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ سب یہودیوں کے قبضے میں تھی اللہ عزوجل نے اس کو بغیر جنگ وجدال کے فئے کیا اور حکم دیا کہ یہ سب اپنی بیٹی فاطمہ کو دے دو۔

یہ بات بھی افسوسناک ہے کہ ان کے ہاں کوئی اور روایت موجود نہیں ورنہ عجب نہ تھا کہ ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ جو مسلمانوں نے بعد میں فتح کئے ضرور فدک کے حکم میں آ جاتے بہر صورت ان روایات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت اسلامی کا مختصر نام ''فدک'' ہے جسے خدا نے بغیر جنگ وجدال اپنے پیغمبر کے لئے فئے کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہ سب کا سب سیّدہ کے حوالے کر دو اہل علم وفہم کے نزدیک ان روایات کی جو وقعت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے سر دست ان کے متعلق سوائے اس کے کہ بریں عقل و دانش بباید گریست اور کیا کہا جائے؟

وراثت انبیاء علیہم السلام

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت کیا ہے؟ اور کیا ان کا چھوڑا ہوا مال ان کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب پہلے شیعہ مذہب کی معتبر کتاب اصول کافی' کی دو صحیح روایتوں سے پیش کیا جاتا ہے۔

امام الامہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَذَاكَ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَادِرْهَمًا وَلَا دِيْنَالًا وَاِنَّمَا اَوْرِثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَافِرًا ۔ (اصول کافی مع شرح صافی صفحہ ۱۲۰۸۳)

ترجمہ: بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیائے کرام اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ ان کی وراثت ہے علم و حکمت کی باتیں پس جو شخص ان کی علمی باتوں میں سے کچھ حصہ لیتا ہے وہ

بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَائِرِ النُّجُوْمِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَاَنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَّلٰکِنْ اَوْرِثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْہُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (اصول کافی مع شرح صافی ج ا ص ۸۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت بے علم عابد پر ایسی ہے جیسے شب بدر میں چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء اپنی وراثت درہم و دینار نہیں بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں سو جو شخص اس میں سے حصہ لیتا ہے وہ بہت بڑی چیز لیتا ہے۔

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ انبیاء کی وراثت علم ہے مال نہیں۔

وراثت انبیاء کتب اہل سنت سے

امیر المومنین حضرت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَانُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نبیوں کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِیْنَارًا مَّا تَرَکْتُ بَعْدَ نَفَقَۃِ نِسَآئِیْ وَ مَؤْنَۃِ عَامِلِیْ فَھُوَ صَدَقَۃٌ۔

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (میری وفات کے بعد

میرے وارث دینار وغیرہ (بطور ورثہ) تقسیم نہ کریں گے اور جو کچھ میں چھوڑوں گا وہ میری بیویوں کے مصارف اور عامل کی اجرت کے بعد صدقہ ہوگا۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً اِلَّا بَغْلَةَ الْبَيْضَآءَ الَّتِيْ كَانَ يَرْكَبُهَا وَسَلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا لِابْنِ السَّبِيْلِ صَدَقَةً۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درہم و دینار اور غلام اور لونڈی کچھ نہ چھوڑا سوائے ایک سفید خچر کے جس پر آپ سواری فرماتے اور چند ہتھیار اور کچھ زمین ان سب کو مسافروں کے لئے صدقہ کر گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَدْنَ اَنْ يَّبْعَثْنَ عُثْمَانَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ يَسْئَلْنَهٗ مِيْرَاثَهُنَّ فَقُلْتُ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان کو حضرت ابوبکر کے پاس بھیج کر میراث کا مطالبہ کریں اُم المومنین فرماتی ہیں میں نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اب تو ہٹ دھرمی چھوڑ دو

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! فریقین کی ان روایات سے ثابت ہوا کہ جمیع انبیائے کرام کی وراثت علم اور ان کے وارث علماء ہوتے ہیں اور باقی جو کچھ وہ چھوڑ

جائیں وہ مثل صدقہ کے ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیائے کرام کا ورثہ ان کی اولاد میں تقسیم نہیں ہوتا کیونکہ ان کا ورثہ علم ہوتا ہے اور علاوہ ازیں جو کچھ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حق غصب کیا اور باغ فدک جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وراثت سے ان کے حصے میں آیا تھا وہ نہ دیا کس قدر زیادتی اور بے خبر ہونے کی دلیل ہے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود انبیائے کرام کی میراث درہم و دینار نہیں ہوتے پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی وضد پر اڑے ہوئے ہیں جو بھی اس خاردار مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں ان کو غلامان اہل بیت کے ادنیٰ خادم محمد ریاض رضا ہاشمی کی طرف سے دعوت انصاف ہے کہ خدارا اگر آپ لوگ اپنی آخرت کو بچانا چاہتے ہیں تو ابھی اور اسی وقت سچے دل سے توبہ کر لیجئے اپنی انا کو چھوڑ کر یاران مصطفیٰ کے غلاموں کی صف میں کھڑے ہو جایئے اللہ عزوجل ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

اور اگر بالفرض باغ فدک بطور ورثہ تقسیم بھی ہوتا تو پھر بھی صرف سیّدہ کا حق نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو بیویاں اور حضرت عباس چچا بھی موجود تھے کیا شرعی قانون سے یہ حقدار نہ تھے؟ اور نو بیویوں میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی (حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی تھیں کیا حضرت ابوبکر صدیق کو ان سے بھی کوئی عناد تھا کہ ان کی بھی حق تلفی کی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کی بھی حق تلفی نہیں کی بلکہ کتاب وسنت کے مطابق اس کو صرف کیا اگر اب بھی تسلی نہیں ہوئی تو مزید اس مسئلے پر پڑھتے چلے جایئے۔

باغ فدک پر مفصل گفتگو

بعض حصہ زمین جو کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا ان میں سے ایک فدک بھی تھا جس کی آمدنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اہل و

عیال، ازواج مطہرات وغیرہ پر صرف فرماتے تھے اور تمام بنی ہاشم کو بھی اس کی آمدنی سے کچھ مرحمت فرماتے تھے مہمان اور بادشاہوں کے سفراء کی مہمان نوازی بھی اس آمدنی سے ہوتی تھی اس سے غریبوں اور یتیموں کی امداد بھی فرماتے تھے جہاد کے سامان تلوار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اس سے خریدے جاتے تھے اور اصحاب صفہ کی حاجتیں بھی اس سے پوری فرماتے تھے ظاہر ہے کہ فدک اور اس قسم کی دوسری زمینوں کی آمدنی مذکورہ بالا تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت کم تھی اسی سبب سے بنی ہاشم کا جو وظیفہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیا تھا وہ زیادہ نہیں تھا اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حد سے زیادہ پیاری تھیں مگر آپ ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی زمینوں کی آمدنی مخصوص مدّوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کا مال اسی کی راہ میں خرچ فرماتے تھے آپ نے ان کو ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا تھا پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انہیں تمام مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ کے زمانہ تک اس طرح خرچ ہوتی رہی یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب نے فدک کی آمدنی کو انہیں مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ کیا کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد باغ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں رہا پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد زید بن حسن بن علی برادر حسن بن حسن کے تصرف میں آیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر مروان اور مروانیوں کے اختیار میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ آیا انہوں نے باغ فدک حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں دے دیا باغ فدک کی اس تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا لوگوں نے بلاوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام لگا کر ان کو مطعون کیا۔

کیا حضور ﷺ نے باغ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا؟

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا یہ رافضیوں کا افتراء ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں یعنی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے فاغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ہماری کتابوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک کا نہ دینا ثابت ہے جیسا کہ مشہور و معروف کتاب ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔

عن المغيرة قال ان عمر بن عبدالعزيز جمع بن مروان حسين استخلفا فقال ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كانت له فدك فكان ينفق منها ويعوذ منها على صغير بنى هاشم ويزوج منها اليهم وان فاطمة سالتله ان يجعلها لها فانى فكانت كذلك فى خيرة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى معنى لسبيله فلما ان ولى ابوبكر عمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى خيرته حتى معنى لسبيله فلما ان ولى عمر بن الخطاب عمل فيها بمثل ما عملا حتى مضى لسبيله ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزيز فرايت امرا منعه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاطمة ليس لى بحق وانى اشهد كم انى رددتها على ماكانت يعنى على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ابى بكر و عمر (رواہ ابوداؤد شریف)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور بنی

ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ فدک ان ہی کے لئے مقرر کر دیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرما گئے پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر مروان نے اپنے دور میں فدک کو بھی اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کی جاگیر بنا۔ پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کر دیا جس دستور پر وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ مبارک میں۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۶)

اس حدیث شریف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک کا نہ دینا واضح طور پر ثابت ہے بلکہ شرح ابن الحدید جو رافضیوں کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغۃ کی شرح ہے اس میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

قال لها ابوبكر لما طلبت فدك بابى والى انت الصادقة الا مينة عندى ان كان رسول الله عهد اليك عهد او وعدك وعدا اصدقتك وسلمت اليك فقالت لهم يعهدا لى فى ذالك ۔

(الحدید: شرح نہج البلاغۃ)

جب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فدک طلب کیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے نزدیک صادقہ امینہ ہیں اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آپ کے لئے فدک کی وصیت کی ہو یا وعدہ کیا ہو تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں اور فدک آپ کے حوالے کر دیتا ہوں تو سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ فدک کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی ہے۔

محترم قارئین کرام! اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کو باغ فدک دینے کا جو افسانہ بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت سیّدہ رضی اللہ تعالٰی عنہا خود فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فدک کے لئے میرے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے اور نہ وعدہ فرمایا ہے لہٰذا جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فدک حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کو دیا نہیں اور دینے کا وعدہ بھی نہیں فرمایا اور نہ وصیت فرمائی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کو باغ فدک ہبہ کر دیا تھا تو یہ مسئلہ رافضی و سنی دونوں کے یہاں متفقہ طور پر مسلم ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر تاوقتیکہ موہوب لہ یعنی جس کو ہب کیا گیا ہے اس کا قبضہ و تصرف نہ ہو جائے وہ چیز موہوب لہ کی ملک نہیں ہو سکتی اور فدک بالاتفاق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کبھی حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے اختیار میں رہا اور وہی اس میں مالکانہ تصرف فرماتے رہے۔

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی وراثت چھوڑی؟

جیسا کہ ہم سابق اوراق پر میراث انبیاء علیہم السلام پر گفتگو کر چکے ہیں مگر اس پر مزید کرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا تھا ہم نے یہ تسلیم کر لیا لیکن جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں تو فدک حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وراثت میں ضرور ملنا چاہیے تھا کہ ہر شخص اپنے باپ کی جائیداد کا وارث ہو اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وارث نہ ہوں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہا درجہ فیاض تھے جو کچھ آتا تھا سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے کچھ اپنے پاس باقی نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک بار نماز عصر پڑھا کر فوراً اٹھے اور نہایت تیزی کے ساتھ گھر تشریف لے گئے پھر علی الفور واپس آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا مجھے خیال آیا کہ سونے کی ایک چیز گھر میں پڑی رہ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑی رہ جائے اس لئے میں اسے خیرات کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ص ۱۶۶)

نیز ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ آخری بیماری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت میں چھ سات اشرفیاں تھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا۔

مَاظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۶۷)

یعنی اللہ عزوجل کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۸)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی

چیز چھوڑی ہی نہیں تو ایسی صورت میں وراثت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مال چھوڑا ہی نہیں اور ازواج مطہرات جو اپنے حجروں کی مالک ہوئیں تو وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کو ہبہ کر دیا تھا اور اسی زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے اپنے حجروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ جب قبضہ کے ساتھ ہو تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بھی گھر بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا جو ان کی ملکیت تھا اور پھر فدک مالِ غنیمت سے تھا اسی لئے محدثین کرام فدک کی حدیث کو باب الفئ میں لاتے ہیں اور فئ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اس کے مصارف کو خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (الحشر:۸۷)

ترجمہ: کنزالایمان: جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو شہر والوں سے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۱۳ پر مغرب سے ہے

حکمه ان یکون لکافة المسلمین فی

فیٔ کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حکم فی آنست کہ مر عامہ مسلمانان رامی باشد و دروے خمس و قسمت نیست و اختیار آں بدست آنحضرت ست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۴۶)

یعنی فئ کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے اس میں خمس اور تقسیم نہیں ہے

اوراس کی تولیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

معلوم ہوا مال فی وقف ہوتا ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فدک کی آمدنی کو قرآن کی تصریح کے مطابق اپنی ذات پر ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا اور مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

کیا انبیائے کرام علیہم السلام کسی کو مال کا وارث بناتے ہیں؟

اگر فدک کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت مان بھی لیا جائے پھر بھی اس میں وراثت نہیں جاری ہوگی بلکہ وہ صدقہ ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔

الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ (مسلم شریف ج۲ص۹۱)

کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث شریف سنائی تو انہوں نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ختم کر دیا اور حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جویریہ زوجہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھائی تھے انہوں

نے فرمایا:

ماترك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند موته درهما ولا دينارا ولا عبدًا ولا امة ولا شيئا الا بغلته البيضاء وسلاحه وارضا جعلها صدقة۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال کے وقت درہم و دینار اور غلام و باندی کچھ نہیں چھوڑا مگر ایک سفید خچر اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ کر دیا تھا۔ (رواہ البخاری' مشکوٰۃ ص ۵۵)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لا يقتسم ورثتى دينارا ماتركت بعد نفقة نسائى و مونة عاملى فهو صدقة۔

(بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۰)

اور بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت زبیر بن العوام اور سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

انشدكم بالله الذى باذنه تقوم السماء والارض هل تعلمون ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال لانورث ماتركنا صدقة قالوا قد قال ذلك فاقبل عمر على على و عباس فقال

انشدكما باللہ ھل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد قال ذلك قالا نعمہ۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۷۵ مسلم ج ۲ ص ۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو خدائے تعالیٰ کو قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو ان لوگوں نے کہا بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے پھر وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں آپ دونوں کو خدا عزوجل کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۷۵ مسلم ج ۲ ص ۹۰)

اب تو مان جا

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی ورنہ یہ تمام بزرگوار جو رافضیوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں حضرت عباس اور ازواج مطہرات کی حق تلفی جائز نہ رکھتے ان تمام شواہد سے خوب واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوئی اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا نہ کہ بغض و عداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے اس لئے کہ اگر حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کو دشمنی تھی تو ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ سے حصہ پہنچتا تو ان سے اور ان کے باپ بھائی وغیرہ متعلقین سے کیا عداوت تھی کہ ان

سب کو محروم میراث کر دیا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی صاحبزادی بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں بلکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت ابوبکر کے ابتدائے خلافت سے مشیر و رفیق تھے جن کو تقریباً نصف ترکہ ملتا وہ کس دشمنی کے سبب وراثت سے محروم ہوئے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد رسول **لا نورث ما ترکنا صدقة** کے سبب حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فدک نہ دیا کہ حدیث پر عمل کرنا ان پر لازم تھا اس لئے کہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سیّدہ کو خوش کرنے کے لئے انہیں حدیث کو پس پشت ڈال دینا چاہیے تھا اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انہیں عمل نہیں کرنا چاہیے تھا اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کیا تو ان پر الزام کیا ہے جبکہ یہ روایت کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے رافضیوں کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے ہم پیچھے بھی لکھ چکے ہیں مزید پڑھیے چنانچہ اصول کافی باب العلم والمتعلم میں ہے

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکن اورثوا العلم فمن اخذہ منہ اخذ بحظ وافر۔ (اصول کافی)

ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمائے دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیائے کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے تو جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا اور اس کتاب اصول کافی کے باب صفة العلم میں ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثة الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھماً ولا دیناراً وانما اورثوا احادیث من

احادیثھم فمن اخذہ بشئی منھا فقد اخذ حظاً وافراً۔

(اصول کافی)

حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے کرام انبیائے عظام کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا انہوں نے تو صرف اپنی باتوں کا وارث بنایا تو جس شخص نے ان کی باتوں کو حاصل کرلیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رافضیوں کے نزدیک معصوم ہیں اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان کی روایتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے وہ درہم و دینار اور مال و اسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے اور جب یہ بات رافضیوں کی روایات سے بھی ثابت ہے تو پھر سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کرنے کے سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فدک کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (النمل:۱۶)

ترجمہ: اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا۔

وغیرہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

حضور کے ترکہ سے علی کو تلوار کیوں ملی؟

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہ جاری ہوتی تو ابوبکر حضرت علی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تلوار، زرہ اور دلدل وغیرہ کیوں دیتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار وغیرہ کا دینا ہی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہیں اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارث نہ تھے اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ترکہ کے وارث ہوتے تو صرف فاطمۃ الزہرا ازواج مطہرات اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوتے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مال وفات کے بعد عامہ مسلمین کے لئے وقف کا حکم رکھتا ہے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چیزوں کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ لائق سمجھا تو ان کے لئے مخصوص کر دیا اور بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہیں۔

کیا حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو ستایا؟ (رضی اللہ عنہما)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بے شک جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے حضور کو ستایا اور جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دی اس مضمون کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی و فی روایة یریبنی ماار ابها ویر ذینی ماذاها۔ (رواہ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے تو جو شخص اس کو غضب میں لایا مجھ کو غضب میں لایا اور

ایک روایت میں ہے مجھ کو اضطراب میں ڈالتی ہے جو چیز فاطمہ کو اضطراب میں ڈالتی ہے اور مجھ کو تکلیف دیتی ہے جو چیز اس کو تکلیف دیتی ہے یہ حدیث شریف حق ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ سمجھنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ستایا یہ غلط ہے ستانے کا مفہوم کیا ہے؟ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ حدیث شریف سنائی کہ جس کی تصدیق بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کرتے ہیں تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہو گئیں کیا حدیث سنانا اور

اس پر عمل کرنا سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ستانا ہے؟ کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پر عمل کر کے مجھ کو ستایا گیا اور جب عام مسلمانوں کو حدیث پر عمل کرنے سے تکلیف نہیں پہنچ سکتی تو حضرت فاطمۃ الزہرا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نور نظر ہیں ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے سے کیونکر تکلیف پہنچ سکتی ہے؟ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حدیث رسول پر عمل کرنے کے سبب تکلیف پہنچی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو خود حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام آتا ہے کہ ان کو حدیث رسول سے تکلیف پہنچی اور یہ بات جگر گوشہ رسول سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات سے ناممکن ہے ہاں بخاری شریف کی بعض روایتوں میں جگر گوشہ رسول حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال و جواب کو نقل کرنے کے بعد حدیث کے راوی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

فغضبت فاطمة و هجرت ابابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت و عاشت بعد رسول الله ستة اشهر۔

پس حضرت فاطمہ ناراض ہو گئیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ بعد حیات رہیں یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے نہیں نکلے ہیں بلکہ یہ حدیث کے راوی کا خیال ذاتی ہے جس کو انہوں نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے یعنی حضرت ابوبکر کی شکایت کسی روایت میں سیّدہ کی زبان سے ثابت نہیں ہے نہ کوئی حدیث کا راوی یہ کہتا ہے کہ ہم نے ابوبکر کی شکایت جناب سیّدہ سے سنی ہے اور چونکہ ناراضگی دل کا فعل ہے اس لئے جب تک اس کو زبان سے ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ البتہ آثار و قرائن سے دوسرے لوگ قیاس کر سکتے ہیں مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا بہت امکان ہے جیسے کہ ایک بار بہت سے صحابہ

کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلوت نشینی سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ طلاق نہیں دی ہے اسی طرح فدک کے معاملہ میں بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خاموشی اور ترک کلام سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناراض ہیں حالانکہ یہ بات نہیں کہ ناراضگی ہی ترک کلام کا سبب ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی حدیث سن کر وہ مطمئن ہوگئیں اس لئے پھر کبھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فدک کے معاملہ میں گفتگو نہیں کی اور حضرت سیّدہ کے ناراض نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ وہ برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھر کے سارے اخراجات لیتی تھیں اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس حضرت سیّدہ کی تیمارداری کرتی تھیں اگر واقعی حضرت سیّدہ ناراض ہوتیں تو ان کی اور ان کی بیوی کی خدمات وہ ہرگز قبول نہ فرماتیں اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

من اغضبها اغضبنی

یعنی جو شخص اپنے قول یا فعل سے قصداً فاطمہ کو غضب میں لائے اس کے لئے وعید ہے اس لئے کہ اغضاب کے معنی یہی ہیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غضب میں لانے اور ایذا پہنچانے کا قصد ہرگز نہیں کیا بلکہ وہ بارہا مقام عذر میں فرماتے رہے۔

یا ابنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان قرابة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احب الی من ان اصل قرابتی۔

قسم ہے خدا عزوجل کی اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی مجھے اپنی قرابت سے حضور کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ محبوب ہے اور اگر حضرت سیّدہ کا غضب میں ہونا بمقتضائے بشریت مان بھی لیا جائے تو یہ ان کا اپنا فعل ہے حضرت

ابوبکر پر کوئی الزام نہیں اس لئے کہ اغضاب یعنی قصداً غضب میں لانے پر وعید ہے نہ کہ غضب پر ہاں اگر اس لفظ کے ساتھ وعید ہوتی کہ

من غضبت علیه غضبت علیه

یعنی جس پر فاطمہ غصہ ہوں گی تو اس پر میں غصہ ہوں گا تو اس صورت میں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام عائد ہوتا مگر اس طرح کے الزام سے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں بچ سکتے اس لئے کہ حضرت سیّدہ بارہا ان پر غصہ ہوئی ہیں جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب۔ (جلاء العیون ص۱۸۶) پر ہے کہ ایک بار حضرت سیّدہ زہرا مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حسن وحسین اور اُم کلثوم کو لے کر اپنے میکہ چلی گئیں بلکہ بعض مرتبہ اس قدر غصہ ہوتی تھیں کہ حضرت علی کو سخت وسست بھی کہہ دیا کرتی تھیں جیسا کہ رافضی مذہب کی مشہور کتاب حق الیقین کے ص۲۳۳) پر ہے کہ حضرت سیّدہ نے ایک بار حضرت علی سے ناراض ہوکر یہ جملہ کہہ دیا مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ ومثل خائبان درخانہ گریختہ حمل کے بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے۔

خلاصہ یہ کہ رافضی اور سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے حضرت سیّدہ کا حضرت علی پر ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کی ناراضگی حضرت علی سے وقتی اور عارضی ہوتی تھی پھر اس کے بعد آپ راضی بھی ہو جاتی تھیں تو ہم کہتے ہیں اول تو حضرت ابوبکر پر حضرت سیّدہ کی زبان سے ناراض ہونا ہی ثابت نہیں اور اگر حدیث شریف کے راوی کے خیال کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی جیسا کہ رافضی اور سنی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہے کہ مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیّدہ نے حضرت ابوبکر سے بولنا چھوڑ دیا تو آپ نے حضرت علی کو اپنا سفارشی بنایا یہاں تک کہ حضرت زہرا آپ سے راضی ہو گئیں جیسا کہ سنیوں کی کتاب مدارج النبوۃ' کتاب الوفا' بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے بلکہ محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطالبہ فدک کے بعد حضرت سیّدہ کے گھر گئے اور دھوپ میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۵۴) اور رافضیوں کی کتاب حجاج السالکین میں ہے۔

ان ابابکر سمارای ان فاطمة انقبضت عنه وهجرته ولم تتكلم بعد ذلك فی امر فدك وكبر ذلك عنده فالاداسترضاء هافاتاها فقال لها صدقت یا ابنة رسول الله فیما ادعیت ولکن رایت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقسما فیعطی الفقراء و المساکین وابن السبیل بعد ان یوتی منها قوتکم والصالعین بها فقال افعل فیها کما کان ابی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یفعل فیها فقال ذلك الله علی ان افعل فیها ما کان یفعل ابوك فقالت والله لتفعلن فقال والله لا فعلن فقالت اللهم اشهد فرضیت بذلك واخذت العهد علیه وكان ابوبكر یعطیهم منها قوتهم ویقسم الباقی فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل۔

(حجاج السالکین)

بے شک جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ فاطمہ مجھ سے تنگ دل ہوگئیں اور چھوڑ دیا اور فدک کے بارے میں بات کرنا ترک کردیا تو یہ ان پر بہت گراں ہوا۔ انہوں نے حضرت سیّدہ کو راضی کرنا چاہا تو ان کے پاس گئے اور کہا اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی آپ نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا سچا تھا لیکن میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو فقیروں مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے اس میں سے آپ کو اور فدک میں کام کرنے والوں کو دیتے تھے تو حضرت سیّدہ نے کہا کہ کرو جیسا کہ میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے تھے

تو حضرت ابوبکر نے کہا قسم ہے خداعزوجل کی میں آپ کے واسطے وہ کام کروں گا جو آپ کے والد گرامی کرتے تھے تو حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا نے کہا قسم ہے خداعزوجل کی آپ ضرور ویسا ہی کریں گے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں ضرور کروں گا تو حضرت سیّدہ نے کہا اے خدا تو گواہ ہے پھر حضرت سیّدہ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے عہد لیا اور وہ فدک کی آمدنی سے پہلے حضرت سیّدہ وغیرہا کو دیتے تھے پھر باقی فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے۔

کیا واقعی حضرت سیّدہ، ابوبکر سے ناراض تھیں؟ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

رافضی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کر دی تھی کہ ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اس لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیّدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ سیّدہ ان سے راضی نہیں ہوئی تھیں اور ان لوگوں کے مابین صلح صفائی نہیں ہوئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کی معتبر کتابوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں یہ رافضیوں کا افتراء و بہتان ہے اس لئے کہ وہ ایسی وصیت کیسے کر سکتی تھیں جبکہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق بحیثیت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ہی کو تھا اسی لئے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو (اور ایک روایت میں سعید بن عاص کو) حضرت امام حسن کا جنازہ پڑھانے سے نہیں روکا اور فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں جنازہ کی نماز تمہیں نہ پڑھانے دیتا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۵۴)

اور جب نماز جنازہ پڑھانے کا حق خلیفۃ المسلمین ہی کو تھا تو حضرت سیّدہ کسی کی حق تلفی کی وصیت ہرگز نہیں کر سکتیں معلوم ہوا کہ اس قسم کی وصیت کی نسبت حضرت سیّدہ کی جانب غلط ہے البتہ انہوں نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے بے پردہ مردوں کے سامنے نہ نکالیں اس لئے کہ اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ مردوں

کی طرح عورتوں کو بھی بے پردہ نکالتے تھے تو حضرت ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیس نے حضرت سیّدہ کے جنازہ کے لئے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئیں لہٰذا ان کی وصیت انتہائی شرم وحیا کے سبب سے تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خاص نہ تھی بلکہ عام تھی اسی لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیّدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا اور سیّدہ کے جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا شریک نہ ہونا بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے ثابت نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق ہی نے پڑھائی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے دو روایتیں مروی ہیں۔

عن الشعبی قال صلی علیها ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ابرٰهیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول اللہ وکبر علیها اربعاً۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز حضرت ابوبکر نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں اور اگر جنازہ میں شریک نہ ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر کو بلانے کے لئے کسی کو نہ بھیجا ہو تو حضرت ابوبکر نے سمجھا ہو کہ اس میں کوئی مصلحت ہے اس لئے شریک نہ ہوئے ہوں اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لئے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز وتکفین کر دی گئی

كذا ذكره سمهودی فی تاريخ المدينة (اشعۃ اللمعات ج۲ ص۴۵۴)

اور اگر رافضی کسی بات کو نہ مانیں اور جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ حضرت سیّدہ کی وصیت ہی کو ٹھہرائیں تو پھر ان کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ سیّدہ کی نماز جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں

کلینی سے روایت ہے کہ انوا میر المومنین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازہ فاطمہ نماز کردند ابوذر وسلمان وعمار وحذیفہ وعبداللہ بن مسعود ومقداد و من امام ایشاں بودم۔

• امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی ابوذر' سلمان' عمار' حذیفہ' عبداللہ بن مسعود' مقداد اور میں ان کا امام تھا اس روایت سے ثابت ہوا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت سیّدہ کی نماز جنازہ پڑھی اور مندرجہ ذیل حضرات ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حضرت امام حسن' حضرت امام حسین' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عقیل بن ابوطالب' حضرت جعفر بن ابوطالب' حضرت قیس بن سعد' حضرت ایوب انصاری' حضرت ابوسعید خدری' حضرت سہل بن حنیف' حضرت بلال' حضرت صہیب' حضرت براء بن عازب اور حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ تیرہ حضرات جن کو رافضی بھی مانتے ہیں اور یہ لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوئے ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ کیا حضرت سیّدہ ان سے بھی ناراض تھیں کیا انہوں نے یہ بھی وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازہ میں امام حسن و امام حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جنازہ میں شریک ہونے نہ ہونے کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے ورنہ حضرات حسنین کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ ان حضرات سے سیّدہ ناراض تھیں اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کے لئے وصیت کر گئی تھیں تو ثابت ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت سیّدہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو اس کو آپ سے حضرت سیّدہ کی ناراضگی کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے۔

حضرت ابوبکر کی درخواست

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت التجا کے ساتھ اپنی پوری جائیداد حضرت سیّدہ کو پیش کی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حدیث رسول

لا نورث ما ترکنا صدقة کو سنانے کے بعد بہت معذرت کی اور کہا کہ اموال واحوال خود لا از تو مضائقہ غنی کنم آں چہ خود ہی بیگر تو سیّدہ اُمت بدر خودی وشجرہ طیبہ از بردے فرزنداں خودا نکار فضل تو کیے نمی تو اندکرد وتو حکم تو نافذست دراموال من امادراموال مسلمانان مخالفت گفتہ پدرتو نمی توانم کرد۔ (حق الیقین لا مجلس ص۳۳۱)

یعنی میرے جملہ اموال واحوال میں آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں بلا روک ٹوک لے سکتی ہیں آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کی سردار ہیں اور آپ کے فرزندوں کے لئے شجرہ مبارکہ میں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور آپ کا حکم میرے تمام مالوں میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت میں نہیں کرسکتا رافضیوں کو اس مذہبی کتاب سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بہت محترم تھیں وہ حضرت سیّدہ کی بہت عزت کرتے تھے ہرگز ہرگز ان کے دل میں حضرت سیّدہ کی طرف سے کوئی بغض وعناد نہ تھا صرف حدیث رسول کے سبب فدک ان کے حوالہ نہ کیا خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن ہر طرح کے الزام سے پاک ہے اور ان پر باغ فدک کے غصب اور حضرت سیّدہ کی دشمنی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے ان مفصل جواب کا مقصد بحث ومناظرہ نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک کی وضاحت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی واجب الاحترام ہستی پر جو طعن کیا جاتا ہے اس سے مدافعت مقصود ہے خدا تعالیٰ سب کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور حق بات قبول کرنے کی سب کو توفیق رفیق بخشے۔ (آمین)

برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ سیّدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! سابقہ اوراق میں آپ نے پڑھا کہ

رافضیوں کی لاکھ کوششوں سے اللہ پاک کے فضل و کرم سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ محفوظ رہے اس طرح اس مذہب کے کارکنوں نے دیگر صحابہ کرام پر بھی الزام تراشی و بہتان بازی کا بازار گرم کیا ان میں سے ایک سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ہم اللہ عزوجل کے فضل کرم سے ان کی ذات پر کیے جانے والے تمام اعتراضات کے جواب پوری تفصیل کے ساتھ تحریر کرنے کی سعی کریں گے اللہ عزوجل اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے سچ سچ کہنے لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم قارئین کرام! جس طرح کہ رافضی لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے درد کی شدت میں صحابہ سے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تا کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس سے تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور علیہ السلام کو درد کی شدت ہے وہ ہذیان بول رہے ہیں لکھنے کا سامان لانے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے خداعزوجل کی کتاب کافی ہے اس بات پر جب صحابہ نے قلم دوات لانے میں اختلاف کیا اور لوگوں کی گفتگو سے شوروغل ہوا تو حضور علیہ السلام نے سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اس واقعہ سے چار اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا حالانکہ حضور علیہ السلام کا قول وحی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم:۳،۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اور وحی کا رد کرنا کفر ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا اس میں حضور علیہ السلام کی توہین ہوئی اس لئے کہ نبی کو

کبھی جنون نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی وہ بہکی بہکی باتیں کرسکتا ہے۔

(۳) یہ کہ حضور علیہ السلام کے سامنے لوگوں نے شور وغل کیا اور چلّائے جبکہ قرآنی حکم میں ہے کو جو پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرے گا اس کی سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔

(۴) چوتھے یہ کہ لکھنے کا سامان نہ دینے سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی اگر حضور علیہ السلام تحریر لکھ دیتے تو مسلمان گمراہی سے محفوظ ہو جاتے۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ عزوجل باطفیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اعتراضوں کے مدلل اور مفصل جواب تحریر کرتے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب

جوابات لکھنے سے پہلے ہم اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں درج کرتے ہیں تاکہ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد جوابات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلی روایت

عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یوم الخمیس اشتد برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجعہ فقال ایتونی بکتف اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعد لا ابداً افتنازعوا ولا ینبغی عند بنی تنازع فقالوا ماشانہ اھجرا استفھوا لافذھبوا یردون علیہ فقال دونی ذرونی فالذی انافیہ خیر مماتدعوننی الیہ فامرھم بثلث فقال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب و اجیزوا الوفد بنحوما کنت اجیزھم وسکت عن الثالمثۃ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جمعرات کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ

میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تا کہ اس کے بعد تم لوگ کبھی نہ بھٹکو تو لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں تو کئی لوگوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا کیا حال ہے کیا جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے آپ سے دریافت کرلو بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ اول مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو' دوم ایلچیوں کو انعام دو جیسا کہ میں دیتا تھا یہ کہہ کر تیسری وصیت سے خاموش ہو گئے یا راوی نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔

دوسری روایت

عن ابن عباس قال لمال حضر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھلموا الکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حبکم کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا افمنھم من یقول فریو اکتاب لکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومنھم من یقول ماقال عمر فلما اکثر و اللغط والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوموا عن۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو حجرہ مبارکہ میں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میں تم لوگوں

کے لئے ایک تحریر لکھ دوں تا کہ اس کے بعد تم نہ بھکو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور علیہ السلام کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے ہمارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے تو حجرہ میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے اختلاف کیا بعض لوگ کہتے تھے کہ حضور علیہ السلام کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو تا کہ وہ تمہارے لئے تحریر لکھ دیں اور بعض لوگ وہی کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب لوگوں نے باتیں بڑھا دیں اور اختلاف زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

اجمالی جواب

حدیث شریف سے اصل واقعہ کی تفصیل کے بعد اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ کام صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کیا بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس میں شریک ہیں اس لئے کہ جتنے صحابہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں موجود تھے اس معاملہ میں وہ لوگ دو گروہ ہو گئے تھے اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وقت موجود تھے تو اگر یہ دونوں حضرات لکھنے کا سامان نہ لانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت کیے تو یہ سارے الزامات ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کئے تو اس صورت میں حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے اور روکنے والوں کے سبب رک جانے یعنی لکھنے کا سامان حاضر نہ کرنے کا الزام ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لکھنے کا سامان کیوں نہ پیش کر دیا اور پھر یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ مبارکہ یعنی پیر کو ہوا تو فرصت کا موقع بہت تھا حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درمیان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں نہ لکھا لیا اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ان لفظوں کے ساتھ تھا۔ ابتونی بقرطاس یعنی تم لوگ میرے

پاس کاغذ لاؤ تو یہ حکم سب حاضرین سے تھا نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لہٰذا اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حکم فرض یا واجب نہ مانا جائے تو حاضرین میں سے کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اور یہی حق ہے رافضیوں کے سارے اعتراضات باطل وغلط ہیں ہر ایک کے تفصیلی جوابات نمبروار درج ذیل ہیں۔

کیا حضور ﷺ کے قول کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رد کیا تھا؟

(۱) محترم قارئین کرام یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا اس لئے کہ انہوں نے درد کی شدت میں حضور علیہ السلام کے آرام و راحت کا خیال کیا کہ حضور علیہ السلام محنت و مشقت میں نہ پڑیں اور اسے رد نہیں کہتے ہر شخص اپنے عزیز بیمار کو محنت و مشقت میں پڑنے سے بچاتا ہے خاص کر بزرگ اگر کسی وقت بشدت مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور حاضرین کے فائدہ کے لئے خود ہی کچھ اٹھانا چاہتا ہے تو کوئی بھی اسے گوارا نہیں کرتا یہی سب لوگوں میں معمول ہے لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کے فائدے کے لئے مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں کہ خود لکھیں یا لکھائیں بہرحال مضمون بتانا یا خود لکھنا شدت مرض میں تکلیف کا سبب ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ازراہِ محبت گوارہ نہ کیا اور بلحاظ ادب حضور علیہ السلام کو خطاب نہ کیا بلکہ اور لوگوں کو کتاب اللہ کے اشارہ سے ثابت کیا کہ حضور علیہ السلام کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تا کہ حضور علیہ السلام کے کان مبارک تک یہ آواز پہنچے اور آپ جان لیں کہ شدت مرض میں ایسی مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں اور اس معاملہ میں عقلمندوں کے نزدیک حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باریک بینی ہے جو لائق صد تعریف ہے کہ تقریباً تین ماہ پہلے یہ آیہ کریمہ نازل ہو چکی تھی

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

تو اس آیت کریمہ نے نسخ و تبدیل اور دین کے احکام میں کمی بیشی کے دروازے کو بالکل بند کر کے اس پر مہر لگا دی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

حسبکم کتاب اللہ

یعنی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور علیہ السلام اس حالت میں کوئی ایسی نئی بات لکھانے والے ہیں جو پہلے سے کتاب و شریعت میں نہیں آئی ہے تو آیت کریمہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ:۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

کا جھٹلانا لازم آتا ہے اور یہ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محال ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ ان احکام کی تاکید فرمائیں جو پہلے مقرر فرما چکے ہیں تو شدت مرض میں حضور علیہ السلام کو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں بہتر ہے کہ وہ آرام فرمائیں ہم کو خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تاکید کافی ہے اور اس بات پر حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ گواہ ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدغلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بات کو رد کر دیا انتہائی نادانی و جہالت اور بغض و عداوت ہے کہ اس قسم کی مصلحت آمیز باتیں اور مشورے حضور و صحابہ علیہ السلام و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خصوص میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کہ منافقوں پر نماز پڑھنے ازواج مطہرات کو پردہ نشین کرنے جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے مقام ابراہیم کو مصلیٰ

ٹھہرانے اور بشر منافق کے قتل وغیرہ بہت سے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عرض ومشورے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اکثر واقعات میں ان کی بات اللہ و رسول کی بارگاہ میں مقبول ہوئی اور اگر اس قسم کی مصلحت آمیز باتوں کے پیش کرنے کو حضور علیہ السلام کی بات کا رد کرنا یا وحی کا ٹھکرانا قرار دیا جائے جیسا کہ رافضی لوگ کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کئی معاملہ میں حضور علیہ السلام کی بات کے رد کرنے اور وحی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہو جائے گا۔

اول یہ کہ بخاری شریف میں متعدد طریقے سے مروی ہے کہ سراہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکان پر رات کے وقت تشریف لے گئے ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا

قوما فصليا

یعنی تم دونوں اٹھ کر نماز پڑھو

اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ لَانُصَلِّیْ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا

یعنی خدا کی قسم فرض نماز سے زیادہ نہیں پڑھیں گے

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر سے واپس ہو گئے اور فرمایا:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلاً (کہف:۵۴)

اور آدمی ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

کیا اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وحی کا ٹھکرانے والا کہا جائے گا نہیں ہرگز نہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے کچھ ان کی ملامت نہ فرمائی۔ دوسرے یہ کہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلح نامہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کافروں کے درمیان لکھا جا رہا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھا تو مشرکین مکہ نے اس لفظ کے لکھنے

پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر رسول اللہ مانتے تو پھر آپ سے کیوں لڑتے تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی سے فرمایا:

امع رسول اللہ

یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹا دو

تو حضرت علی نے کہا قسم خدا کی ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے تو حضور علیہ السلام نے صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لے کر خود مٹایا کیا اس واقعہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ السلام کی بات رد کرنے والا اور وحی کا ٹھکرانے والا قرار دیا جائے گا؟ اگر رافضی ایسی باتوں کو بھی پیغمبر کے قول کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے اس لئے کہ رافضی کی معتبر کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات پائے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے حکم پر عمل نہیں کیا جیسا کہ

شریف مرتضیٰ نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک علم الہدیٰ ہے اپنی کتاب ''دارغرر'' میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور انہوں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تہمت کے بارے میں لوگوں نے بہت باتیں کیں اس لئے کہ ان کا چچازاد بھائی ان سے کبھی کبھی ملنے کے لئے آیا کرتا تھا تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی سے فرمایا:

خذ ھذا السیف وانطلق فان جدتہ عندھا فاقتلہ۔

یعنی اس تلوار کو لے کر جاؤ اور ماریہ کے پاس اگر اس مرد کو پاؤ تو قتل کر دو۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس مرد کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جان لیا کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں تو وہ میرے پاس آ کر کھجور کے درخت پر چڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل گرا دیا اور دونوں پاؤں کو

اٹھا دیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجبوب ہے یعنی

مقطوع الذکر و الخصیتین ہے اس کے پاس مردوں کے جیسا کچھ نہیں ہے تو میں نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور واپس آ کر حضور علیہ السلام سے اس کا سارا حال بیان کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی یصرف عنا الرجس اهل البیت۔

خداتعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جملہ اہل بیت کو گندگی سے بچاتا ہے اور محمد بن بابویہ نے امالی میں و دیلمی نے ''ارشاد القلوب'' میں روایت کی ہے۔

أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم اعطی فاطمة سبعة دراهم وقال اعطیها علیا ومریه ان یشتری لاهل بیته طعاما فقد غلبهم انجوع فاعطتها علیا وقالت ان رسول اللہ صلیَ اللہ تعالیٰ علیه وسلم امرك ان تبتاع لناطعا ماخذها علی و خرج من بیته لیبتاع طعا مالا هل بیته فسمع رجلا یقول من یقرض اعلی الوفی فاعطاه الدراهم۔ (امالی و دیلمی ارشاد القلوب)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سات درہم عطا فرمایا اور حکم دیا کہ یہ درہم علی کو دے کر کہہ دو کہ وہ اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خرید لائیں کہ ان پر بھوک غالب ہو رہی ہے تو حضرت فاطمہ نے وہ درہم علی کو دیئے اور کہا بے شک حضور علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے واسطے کھانا خرید لائیں تو حضرت علی وہ درہم لے کر اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خریدنے کے لئے گھر سے نکلے راستہ میں سنا ایک شخص کہتا ہے کہ کون ایسا آدمی ہے جو سچے وعدہ پر ہم کو قرض دے تو حضرت علی نے وہ درہم اس کو دے دیئے اس واقعہ میں حضور علیہ السلام کے حکم کی مخالفت بھی ہے اور غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف بھی اور اپنے اہل و عیال کے حق کا تلف کرنا بھی اور حضور علیہ السلام کی اولاد کو بھوکا رکھ کر ان کو تکلیف پہنچانا بھی مگر یہ سب انہوں نے اللہ واسطے کیا اور ایثار کیا جو قابل تعریف و تحسین ہے حضور علیہ السلام کے حکم کا

رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا نہیں ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے اس فعل سے حضور علیہ السلام حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین بھی راضی ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان تمام واقعات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام کا ہر قول وحی الٰہی نہیں ہے ورنہ لفظ رسول اللہ کے مٹانے قبطی مرد کے قتل کرنے کھانا خریدنے اور تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم سب وحی الٰہی ہوتا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وحیٔ الٰہی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہوتا اور جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کو اہل وعیال میں رہنے کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا ہرگز نہ ہوتا۔

اتخلفنی فی النساء والصبیان

یعنی کیا آپ ہم کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔

بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ رافضی سنی دونوں کے نزدیک حکم الٰہی کے خلاف مصلحت کو پیش کرنا اور مشقت کو ٹالنے کے لئے بار بار اصرار کرنا وحی الٰہی کو ٹھکرانا نہیں جیسا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے نو بار خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کیا یا الہ العالمین میری اُمت اتنی نمازوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے گی اگر معاذ اللہ ربّ العالمین یہ وحی کا رد کرنا اور ٹھکرانا ہوتا تو سیّد الانبیاء سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا صدور ہرگز نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسا مشورہ دیتے اور قرآن مجید سورۂ شعراء میں ہے۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ o قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ o وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ o وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ o قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ o

(پ۱۹ع۶)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے ربّ نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جا جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہ ڈریں گے عرض کی: اے میرے

رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو، تُو ہارون کو بھی رسول کر اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھے قتل کر دیں

فرمایا یوں نہیں تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں۔"

ان آیات مبارکہ سے بھی واضح ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں مصلحت کو پیش کرنا وحی الٰہی کا رد نہیں ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں ہرگز اس کے مرتکب نہ ہوتے اور پھر رافضی سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اللہ و رسول کا ہر حکم وجوب کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ سنیوں کی کتاب "نورالانوار" اور رافضیوں کی کتاب "دارغرر" میں مذکور ہے لہٰذا جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض حکم مستحب سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور موردالزام نہ ہوئے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور علیہ السلام کے حکم کو مستحب ٹھہرا کر درد کی شدت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشقت میں ڈالنا ضروری نہ سمجھا تو وہ بھی موردالزام نہ ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم و رسول۔

ایک خلش

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو اور اسلامی بہنو! ابھی جو پیچھے گزرا کہ محبوب خدا عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے تو اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ یہ تو نصِ صریح

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کے دل کی تسکین کے لئے اور ذہنی خلش کو دور کرنے کے لئے ہم اطمینان بخش مدلل جواب تحریر کرتے ہیں:

فقط باسمہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ۔

الجواب

محبوب خدا عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے یہ بات نص صریح کے خلاف نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (النجم:۳،۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

کا مرجع قرآن عظیم جیسا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ ان ضمیر معلوم

وهو القرآن كانه يقول مالقرآن الاوحی

یعنی آیت کریمہ

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (النجم:۴)

میں ھو کا مرجع قرآن ہے گویا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن صرف وحی ہے اور تفسیر روح البیان میں ہے

ان هو ای مالذی ینطق به من القرآن الاوحی من الله تعالیٰ یوحی الیه بواسطة جبرئیل علیه السلام

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب وحی کیا جاتا ہے اور مدارک میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے۔

وما اتاكم به من القرآن ليس بمنطق يصدر عن هواه ورايه انما هو وحی من عندالله یوحی الیه۔

یعنی جو قرآن کہ رسول تمہارے پاس لائے ہیں وہ ایسا کلام نہیں ہے جو ان کی خواہش اور رائے سے ہو وہ صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور تفسیر ابوالسعود میں ہے

ان هو ای مالذی ینطق به من القرآن الاوحی من الله تعالیٰ۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے رسول قرآن بتاتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی ہے
اور تفسیر خازن

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اى بالهدى والمعنى لايتكلم بالباطل وذلك انهم قالوا ان محمد يقول القرآن من تلقاء نفسه ان هو اى ماهو يعنى القرآن وقيل نطقه فى الدين الاوحى من الله يوحى اليه۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار و مشرکین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں اس لئے آیت کریمہ کا یہ معنی ہوا کہ وہ باطل کلام نہیں فرماتے ہیں یعنی قرآن اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر وہ کلام جو دین کے بارے میں ہو صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور معالم التنزیل میں ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم:۳)

کی تفسیر خازن کی مثل لکھنے کے بعد تحریر فرمایا:

ان هو مانطقه فى الدين وقيل القرآن۔

یعنی دین کے بارے میں رسول کا کلام اور بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن صرف وحی خداوندی ہے جو رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

ان معتبر تفسیروں سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى (النجم:۴)

میں ھو کا مرجع قرآن عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحی الٰہی ہے نہ کہ ہر کلام اور تفسیر معالم التنزیل میں ھو کا مرجع

نطقه فى الدين بتایا تو اس سے بھی ہر کلام کا وحی الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف دینی کلام کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے البتہ تفسیر جمل اور صاوی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمام اقوال و افعال اور سب احوال وحی الٰہی ہیں جیسا کہ ہمارے مقررین عام طور پر بیان کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے

ہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے حضور علیہ السلام کے ہر قول وفعل کا وحی ثابت کرنا ایک وہم ہے اس لئے کہ ھو کا مرجع اگر قرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس معنی کا خلاف ہونا ظاہر ہے اور اگر ھو سے مراد حضور علیہ السلام کا قول ہو تو ان کے قول سے وہی قول مراد ہے کہ جسے کفار ومشرکین شاعر کا قول کہتے تھے تو خداتعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقۃ:۴۱) ترجمہ: اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ کا اور وہ قول قرآن کریم ہی ہے علامہ امام رازی کی اصل عبارت یہ ہے:

الظاھر خلاف ماھوا لمشھور عندبعض المفسرين وھوان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ماکان ینطق الاعن وحی ولاحجة لمن وھم ھذا فی الایة لان قوله تعالیٰ ان ھوالا وحی یوحی ان کان ضمیر القرآن فظاھروان کان ضمیراعائدا الٰھی قوله ماسمراد من قوله ھذاالقول الذی کانوا یقولون فیه انه قول شاعر وردّاللہ علیھم فقہال ولا بقول شاعر وذلك القول ھوالقرآن۔

اور علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کے ہر قول کو وحی الٰہی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی اپنے اجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا اور یہ بھی ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں اجتہاد فرمایا ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا شہد کو حضور علیہ السلام نے اپنے لئے حرام فرمالیا تو آیت کریمہ نازل ہوئی

يَآ يُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ (تحریم:۱)

ترجمہ: اے غیب بتانے والے (نبی)! تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اگر حضور علیہ السلام کا حرام فرمانا وحی الٰہی ہوتا تو لِمَ تُحَرِّمُ نہ فرمایا جاتا اسی طرح حضور علیہ السلام نے جب کچھ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی تو آیت کریمہ

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ:۴۳) نازل ہوئی۔

ترجمہ "یعنی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔"

ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ورنہ حضور علیہ السلام کے اجازت دینے پر لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ نہ فرمایا جاتا علامہ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

هذا يدل على انه صلى الله تعالٰى عليه وسلم لم يجتهد وهو خلاف الظاهر فانه فى الحروب اجتهد وحرم ماقال الله لم تحرموا اذن سمن قال الله تعالٰى عفاالله عنك لم اذنت لهم۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۷۰۰)

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر قول وفعل وحی الٰہی نہیں ہے مثلاً بخاری شریف ج ۲ ص ۶۷۴ میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (کسی مصلحت سے) عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ (التوبہ:۸۴)

ترجمہ: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

اور کھجوروں کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضور علیہ السلام کا یہ قول مشہور ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم

اور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا اور وہ فتح نہیں ہوا حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھا لیا زرقانی ج ۳ ص ۳۳ معلوم ہوا کہ طائف کا محاصرہ وحی الٰہی سے نہیں تھا ورنہ صحابی کے کہنے پر حضور علیہ السلام طائف کا محاصرہ ہرگز نہ اٹھاتے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور علیہ السلام کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے تو ان کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دینی امور میں حضور علیہ السلام کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں اور یا تو ان لوگوں کا قول عام مخصوص منہ البعض ہے۔

هذا ما ظهر لي والعلم بالحق عند الله تعالىٰ ورسوله عز اسمه وصلى الله تعالىٰ عليه وآله وبارك وسلم۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی طرف ہذیان کی نسبت کی تھی؟

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی ہے اس لئے کہ حدیث شریف کا یہ جملہ اهجر استفهموه کیا حضور علیہ السلام نے پریشان بات کہی ان سے پوچھو حضرت عمر ہی نے کہا یقین کے ساتھ ہرگز ثابت نہیں، کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایتوں میں یوں ہے:

قالوا ماشانه اهجر استفهموه

لوگوں نے کہا حضور علیہ السلام کا کیا حال ہے کیا انہوں نے پریشان بات کہی ان سے پھر پوچھو مطلب یہ ہے کہ ہجر کے معنی پریشان و ہذیان اور بیہودہ بکنے کے بھی ہیں یہ تو تسلیم ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کلام میں استفہام انکاری ہو جیسے پارہ اول رکوع دوم میں ہے کہ منافقوں نے کہا:

انؤمن كما امن السفهآء

یعنی کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بے وقوف لوگ ایمان لائے یعنی ہم ایمان نہیں لاتے تو اسی طرح جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے ہو سکتا ہے انہی لوگوں نے کہا ہو

اهجر استفهموه

کیا حضور علیہ السلام نے ہجر کیا یعنی ہذیان نہیں کیا ہے لکھنے کا سامان لانا چاہیے

ان سے پھر پوچھو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کے مخالف تھے انہیں لوگوں نے استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو

اهجر استفهموه

یعنی حضور علیہ السلام کو ہذیان تو ہوا نہیں اس لئے کہ نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں تو آپ کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا کون سی ایسی ضروری چیز ہے جسے حضور علیہ السلام شدت درد میں لکھنا چاہتے ہیں پھر سے پوچھو اور نہ سمجھنے کی وجہ بالکل ظاہر تھی اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ احکام کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ

ان اللہ امرنی ان کتب لکم کتابالن تضلوا بعدی

بے شک اللہ عزوجل نے مجھ کو فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک کتاب لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔ لہٰذا جو لوگ لکھنے کا سامان نہ لانے کی تائید میں تھے ان کو شبہ پیدا ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تو عادت کے مطابق ہی فرمایا ہوگا مگر ہم نہیں سمجھے پھر سے پوچھو اور صحابہ کرام خوب جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام دفع تہمت کے لئے کبھی لکھتے نہ تھے قرآن مجید پارہ ۲۱ رکوع ۱ میں ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (العنکبوت:۴۸)

ترجمہ: اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔

مگر اس موقع پر حضور علیہ السلام نے خود لکھنے کو فرمایا اس لئے صحابہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت پیش آئی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ

هجر هجرو هجران

سے مشتق ہو جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور لفظ الحیاۃ مفعول مقدر ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا حضور علیہ السلام نے ظاہری زندگی چھوڑ دی معلوم کرو جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً پارہ ۱۶

رکوع ٦ میں ہے واھجرنی ملیا (مریم:۴٦) ترجمہ: اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے ان سے کہا کہ تم مجھے زمانہ دراز تک چھوڑ دو اور سورہ مزمل میں ہے:

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (المزمل:۱۰)

ترجمہ: اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو۔ اور بعض روایتوں میں جو ہمزہ استفہام نہیں ہے تو مقدر ہے جیسے پارہ ۷ ع ۱۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ھذا ربی کے شروع میں بہت سے مفسرین کے نزدیک ہمزہ استفہام مقدر ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ رحمۃ اللہ علیہ الباری تحریر فرماتے ہیں: ''اگر در بعض روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدر است'' اگر بعض روایتوں میں حرف استفہام مذکور نہیں ہے تو مقدر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج٦ ص ٦۱۰)

اور اگر ہجر کے معنیٰ اختلاط کلام ہی کے لئے جائیں تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ اختلاط جو بالاتفاق انبیائے کرام علیہم السلام کو ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قوت گویائی کے اعضاء کمزور ہو جائیں یا آواز بیٹھ جائے یا زبان پر خشکی کا غلبہ ہو جن کے سبب الفاظ اچھی طرح سننے میں نہ آئیں تو یہ حالتیں انبیاء کو لاحق ہوسکتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام کو آخری بیماری میں آواز بیٹھنے کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا اور اختلاط کلام کی دوسری قسم کا عارضہ غشی کے سبب یا دماغ پر بخارات کے چڑھ جانے سے سخت بخار میں ہوتا ہے کہ اکثر اس حالت میں مقصد کے خلاف کلام زبان پر جاری ہو جاتے ہیں اختلاط کلام کی یہ قسم انبیاء کو ہوسکتی ہے یا نہیں علماء کا اس میں اختلاف ہے جو لوگ اسے جنون کی قسم قرار دیتے ہیں وہ انبیاء کرام کے لئے اسے جائز نہیں ٹھہراتے اور بعض لوگ اسے غشی و بے ہوشی کے مثل قرار دیتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس طرح کا عارضہ لاحق ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ پارہ ۹ رکوع ۷ میں ہے:

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (الزمر:۶۸)

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

فاكون اول من يفيق فاذا موسىٰ اخذ بقائمة من قوائم العرش

تو پہلے جس کو ہوش ہوگا وہ میں ہوں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر غشی و بیہوشی طاری ہوتی ہے اور یہ ان کی شان کے خلاف نہیں اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر قیاس نہیں کر سکتے اس لئے کہ جنون میں پہلے قوائے مدرکہ کی روح میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے لیکن اس حالت میں روح کے اندر ہرگز خلل نہیں ہوتا بلکہ کچھ وقت کے لئے جسم کے صرف اعضاء مرض کے سبب قابو میں نہیں رہتے مگر خدا تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کو اس حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے اور کہنے سے بچائے رکھتا ہے لہٰذا اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہو کہ حضور علیہ السلام کا حکم اختلاط کلام کی قسم سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کچھ بعید بھی نہیں کہ درد سر کی شدت کے ساتھ اس وقت حضور علیہ السلام پر بخار بھی بہت زور کئے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود کہنے والے نے بلحاظ ادب قطعی طور پر بات نہ کہی بلکہ بطریق تردد کہا:

ماشانه اهجر استفهموه

یعنی ان کا کیا حال ہے کہ اختلاط کلام ہوا ہے یا ہم سمجھے نہیں دوبارہ پوچھو واضح

فرمائیں اگر حکم ہو لکھنے کا سامان لائیں ورنہ جانے دیں کہ درد کی شدت میں مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں اور یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں جبکہ اختلاط کلام سے آخری قسم مراد ہو اور اگر قسم اول مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس مضمون کو ہم حضور علیہ السلام کی عادت کے خلاف دیکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوت گویائی میں کمزوری پیدا ہوگئی ہو اس سبب سے ہم آپ کے کلام کو بخوبی نہیں سمجھ سکے لہٰذا دوبارہ پوچھو تا کہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ حضور علیہ السلام لکھنے کا سامان طلب فرما رہے ہیں تو ہم اسے حاضر کریں اور اس صورت میں بھی کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا'

وَهُوَ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَ رَسُوْلُهٗ۔

کیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر کسی نے اونچی آواز کی

بے شک سیّد عالم نور مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر آواز کو اونچی کرنا سب نیکیوں کو برباد کرنا ہے اور حضور علیہ السلام کی آواز پر آواز کو بلند کرنا سخت گناہ ہے مگر اس واقعہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے البتہ آپس کی گفتگو میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپس کی بحثوں اور جھگڑوں میں حضور علیہ السلام کے سامنے ایک دوسرے پر آوازیں بلند کرتے تھے نعرے لگاتے تھے اور حضور علیہ السلام منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس قسم کی بحثوں کے جائز ہونے کا قرآن کریم سے بھی دو طرح اشارہ ملتا ہے اول یہ کہ قرآن کریم نے ان لفظوں کے ساتھ حضور علیہ السلام کے سامنے آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:۲)

ترجمہ: اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔

معلوم ہوا کہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے مگر حضور علیہ السلام کے سامنے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے دوئم قرآن مجید نے یہ فرمایا کہ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات:۲)

ترجمہ: جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کا ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ حضور علیہ السلام کی آواز پر آواز بلند کرنا بربادی اعمال کا سبب ہے اور پھر یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز بلند کی پہلے ان کا آواز بلند کرنا ثابت کیا جائے پھر اعتراض کیا جائے بہت ممکن ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا اس لئے کہ جب بہت سے صحابہ حجرہ مبارکہ میں حاضر تھے تو سب کی گفتگو سے آواز کا بلند ہونا یقینی ہے اور یہ گناہ نہیں اور یہ بھی گناہ ہو تو سب حاضرین یہاں تک حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی یہ گناہ عائد ہوگا اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی

لاینبغی عندی تنازع

یعنی میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں۔

اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ یہ گناہ نہیں بلکہ خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ زنا جو بربادی اعمال کا سبب نہیں ہے اس سے منع کرنے کے لئے بھی یوں نہیں کہا جاتا کہ زنا مناسب نہیں ہے اور جو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

قوموا عنی

یعنی تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ

تو یہ کلام ان اقسام میں سے ہے جو مرض کے سبب مریض سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ذرا سی گفت و شنید کو برداشت نہیں کرتا اور پھر یہ خطاب تو سب حاضرین سے تھا جس میں لکھنے کا سامان لانے کی تائید کرنے والے اور مخالفت کرنے والے دونوں شامل تھے تو صرف حضرت عمر ہی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے حضرت عباس و حضرت علی اور دوسرے لوگوں پر کیوں نہیں کیا جاتا۔

کیا مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لکھنے کا سامان نہ دینے کے سبب مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی اس لئے کہ حق تلفی اس صورت میں ہوتی جبکہ خدا تعالیٰ کی جانب سے کوئی نئی بات آئی ہوتی

اور اُمت کے لئے نفع بخش ہوتی

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔

یہ آیت کریمہ جو تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہوچکی تھی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ کوئی نیا حکم نہیں تھا بلکہ کوئی امر دینی بھی نہیں تھا بلکہ صرف ملکی مصلحتوں کا ارشاد اور نیک مشورہ تھا کہ وہ وقت اسی قسم کی وصیتوں کا تھا کوئی عقل مند اسے ہرگز نہیں مان سکتا کہ تیئیس برس کی مدت جو حضور علیہ السلام کی ظاہری نبوت کا زمانہ تھا اور آپ اپنی اُمت پر بے حد مہربان تھے اس مدت میں پورا قرآن ان کو پڑھایا اور بے شمار حدیثیں ارشاد فرمائیں مگر ایک اہم بات کہنے سے رہ گئی تھی جو اختلاف دفع کرنے کے لئے تریاق مجرب تھی حضور علیہ السلام اسے لکھتے یا لکھاتے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے سے رک گئے اور اس کے بعد پانچ روز تک ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈر سے اسے نہیں لکھایا اور اہل بیت کی ہر وقت آمدورفت رہتی تھی۔

ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (النور:۱۶)

ترجمہ: یہ بڑا بہتان ہے (ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر)

اور اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو تحریر لکھنے کا حکم اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر تھا تو جمعرات سے دوشنبہ پیر تک نہ لکھنے کے سبب حضور علیہ السلام پر تساہلی کا الزام عائد ہوتا ہے جو شان رسالت کے سراسر خلاف اور باطل ہے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:۶۷)

ترجمہ: اے رسول! پہنچادو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے ربّ کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا

لوگوں سے۔"

کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے جبکہ ظاہری حیات کے آخری ایام تھے حضور علیہ السلام حضرت عمر سے ڈر گئے اور خدا تعالیٰ کے وعدہ پر کہ وہ لوگوں کے شر سے آپکو محفوظ رکھے گا حضور علیہ السلام نے یقین نہ کیا؟ مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ اور اگر یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ اپنی طرف سے لکھوانا چاہتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اس خیال سے رجوع فرمایا کہ نہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ رجوع فرمالیا تو اس صورت میں سارا اعتراض ہی ختم ہو گیا اور اس واقعہ نے بھی موافقات عمری میں سے ہو کر ان کی عزت کو اور چار چاند لگا دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ السلام نے رجوع نہیں فرمایا تو اُمت کی نفع بخش چیز کا چھوڑ دینا حضور علیہ السلام پر الزام آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

اور دوسری دلیل اس خیال کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ جو بات آپ علیہ السلام لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا تبلیغ سابق کو منسوخ کرنے والی اور اس کے مخالف تھی اور یا تو تبلیغ سابق کی تاکید تھی پہلی اور دوسری صورت باطل ہے اس لئے کہ آیت کریمہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

کی تکذیب لازم آتی اور تیسری صورت میں اُمت کی کوئی حق تلفی نہ ہوئی اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی تاکید خدا تعالیٰ کی تاکید سے بڑھ کر نہیں ہے تو جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی تاکید کا لحاظ نہیں ہوگا ان کو حضور علیہ السلام کی تاکید سے بھی کچھ فائدہ نہ

پہنچے گا اور حدیث شریف سے اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو ابتدائے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے آپس میں جھگڑا کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا پھر حضور علیہ السلام سے دوبارہ پوچھا مگر حضور علیہ السلام نے قلم و دوات منگانے اور لکھنے لکھانے سے خاموشی اختیار فرمائی اگر یہ بات قطعی ہوتی تو آپ ہرگز خاموش نہ ہو جاتے اور اگر اس وقت خاموش ہو گئے تھے تو اس کے بعد پانچ روز ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے جس کا اقرار رافضی لوگوں کو بھی ہے تو اس درمیان میں اسے ضرور لکھا دیتے لہٰذا معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سے کسی چیز کا لکھنا منظور نہ تھا بلکہ دنیوی معاملات میں کچھ کہنا تھا جس کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو ایلچیوں کی خاطر مدارات کرو اور تیسری چیز کی جس سے اس حدیث شریف میں سکوت کا ذکر ہے غالباً حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی درستگی ہے جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے اور اس بات پر کہ وہ دینی معاملہ نہ تھا دلیل یہ ہے کہ جب دوسری بار صحابہ کرام نے قلم دوات وغیرہ لانے کے بارے میں پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا

ذرونی فالذی انا فیه خیر مما دعوتنی الیه

مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے باطن سے مشاہدہ حق میں مشغول ہوں اور یہ حالت اس چیز سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو اگر کوئی دینی معاملہ یا تبلیغ کا پہنچانا منظور ہوتے تو بہتری کا معنی کیسے ہوتا اس لئے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے حق میں وحی پہنچانے اور دینی احکام جاری کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اور اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری بار اس عالم سے بے تعلقی کا جواب ارشاد فرمایا تو حاضرین کو حسرت و یاس دامن گیر ہوئی اور ناامید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا:

عندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ

مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جواب سے تم لوگ مایوس نہ ہو تمہاری تعلیم اور تمہارے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلام اس گفتگو کے بعد صحابہ کرام کی تسلی کے لئے فرمایا نہ کہ تحریر سے منع کرنے کے لئے اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس واقعہ کے وقت حاضر تھے اس پر رافضی سنی دونوں کا اتفاق ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یا حاضرین مجلس میں سے کسی پر کہ جن لوگوں نے تحریر کی مخالفت کی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی پر انکار یا افسوس ہرگز منقول نہیں نہ آپ کے زمانہ خلافت میں نہ آپ کی پوری زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد نہ کسی شیعہ سے اور نہ کسی سنی سے لہٰذا اگر حضرت عمر اس معاملہ میں خطاوار ہیں تو حضرت علی بھی اس کام کی تائید میں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے علاوہ کہ جو اس وقت کمسن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کسی پر ہرگز منقول نہیں ہوئی اگر کوئی بہت بڑی چیز فوت ہو گئی ہوتی تو بڑے بڑے صحابہ اور کم از کم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر یقیناً حسرت و افسوس ظاہر کرتے اور تحریر سے روکنے والوں کی شکایت زبان پر ضرور لاتے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب کسی اہم بات کا لکھنا منظور نہ تھا تو حضور علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا:

لن تضلوا بعدی

یعنی تا کہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو معلوم ہوا کہ دین کے بارے میں کوئی اہم بات تھی اس لئے کہ دین میں خلل پڑنا ہی گمراہی کے معنی میں آتا ہے دنیا کے معاملات میں بدتدبیری کے معنی میں بھی بہت بولا جاتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں منقول ہے

اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (یوسف۸)

ترجمہ: بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور اس سورۂ یوسف میں دوسری جگہ:

اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (یوسف:۹۵)

ترجمہ: آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو گمراہ سمجھتے معاذ اللہ عزوجل مطلب ان کا یہ تھا کہ دنیوی معاملات میں آپ بے تدبیری برتتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جو ہر طرح کی خدمتیں کرتے ہیں الفت کم رکھتے ہیں اور جو لوگ چھوٹے ہیں اور خدمت کرنے میں قاصر ہیں ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں لہٰذا اس طرح یہاں بھی تضلوا سے مراد ملک کی تدبیر میں خطا ہے نہ کہ دین کی گمراہی اور واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ 23 برس کی مدت میں قرآن کا نزول اور احادیث کریمہ کا ارشاد ان کی گمراہی کے دفع کرنے کے لئے اگر کافی نہ ہو تو چند سطروں کی تحریر اس کام کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہے اور بعض لوگوں کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید حضور علیہ السلام خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

ادعی لی ابابکر ابوک واخاک حتی اکتب لھما کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولیٰ ویابی اللہ والمومنون الاابابکر۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۷۳)

اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں حالانکہ خدا اور مومنین علاوہ ابوبکر کے کسی کو قبول نہ کریں گے مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرہ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا حاصل کلام یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو کسی نے لکھنے سے منع نہیں کیا اور اگر منع

کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے اُمت کی کوئی حق تلفی ہرگز نہیں ہوتی یہ رافضیوں کا وسوسہ ہے اور وسوسہ کا کوئی علاج نہیں۔

هذا ما ظهر لي وهو تعالىٰ ورسوله الاعلىٰ اعلم جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔

کچھ اعتراضات و جوابات

اعتراض نمبر ۱: بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متروکہ مال فئے کو تقسیم کیا جائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا جس سے سیّدہ غضب ناک ہوئیں اور جب تک زندہ رہیں ان سے کلام نہیں کیا اور سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناراض کرنا گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناراض کرنا ہے لہٰذا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدہ کو ناراض کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناراض کیا۔

جواب: بخاری و مسلم کی حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراض ہوئیں یا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ناراض کیا ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے مطالبہ کرنے پر صرف یہ فرمایا کہ اے سیّدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم انبیاء کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے بلکہ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے اور خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کروں گا بلکہ اسی حالت میں رکھوں گا جس طرح آپ کے زمانے میں تھا اور اس میں وہی احکام جاری کروں گا جو آپ جاری کیا کرتے تھے۔

ہاں! (آپ کے زمانے کے مطابق) آپ کی آل بھی اس میں سے کھائے۔

(مسلم شریف)

بخاری میں ہے کہ یہ سن کر سیّدہ غضب ناک ہوئیں، اور جب تک زندہ رہیں، اس

معاملے میں گفتگو نہ فرمائی۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ فغضبت فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی ایسا لفظ نہیں کہا جو ان کی ناراضی کا باعث ہو سکے' بلکہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پیش کیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم آپ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کروں گا۔

نیز سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی یہ سن کر یہ نہیں کہا کہ تم غلط ہو' انبیاء کا ترکہ تقسیم ہوا کرتا ہے' لہٰذا ہمارے ابا جان کا بھی تقسیم ہو گا اور تمہارا قول و فعل ہمارے ابا جان کے قول و فعل کے خلاف ہے۔

تو بلاشبہ یہ ناراضی وقتی طور کی تھی جو بعد میں بالکل نہ رہی' کیونکہ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ابا جان کا ارشاد معلوم ہو گیا تھا اور سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعبی سے صحیح حدیث روایت کی ہے۔

کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ کی عیادت کو آئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارے پاس آنے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت فاطمہ نے فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ میں انہیں اجازت دوں؟ حضرت علی نے کہاں ہاں! تو حضرت فاطمہ نے اجازت دی۔ حضرت ابوبکر سیّدہ کے پاس آئے اور انہیں راضی کیا یہاں تک کہ سیّدہ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر بھی راضی ہو گئے۔ (زرقانی علی المواہب صفحہ ۸/۷)

باوجود اس کے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا' بلکہ حضور علیہ السلام کی قولی اور فعلی سنت کو پیش کیا۔ اور اس پر عمل کیا تھا' پھر بھی سیّدہ کی ناراضی کا ان کو کس قدر احساس تھا کہ تشریف لائے اور سیّدہ کو راضی کیا اور آپ بھی راضی ہو گئیں کیونکہ آپ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حق اور درست ہے۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا

عہد خلافت تھا اس وقت پوری طاقت وقوت آپ کے ہاتھ میں تھی پھر انہوں نے باغ فدک سیّدہ (کی اولاد) کے حوالے کیوں نہ کیا؟

جب کہ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ امانت اہل امانت کے پاس پہنچا دو! انہوں نے اہل حق کو ان کا حق واپس کیوں نہ کیا؟ اگر جواب یہ ہو کہ اہل بیت کرام غصب شدہ مال واپس نہیں لیتے کیونکہ یہ ان کی شانِ اقدس کے خلاف ہے، پھر منکر کے بقول خلافت بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا جو خلفائے ثلاثہ نے غصب کرلیا تھا تو وہ غصب شدہ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں لی؟

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۔ (البقرہ:۱۱۱)

ترجمہ: لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔

اعتراض نمبر ۲: اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔

جس میں میراث کے قوانین بیان فرمائے گئے ہیں عام ہے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لہٰذا جس طرح ہمارا ورثہ ہماری اولاد میں تقسیم ہوتا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی تقسیم ہونا چاہئے تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ورثہ تقسیم نہ کر کے اس حکم الٰہی کے خلاف کیا۔

جواب: آیہ کریمہ:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔

میں خطاب اُمت کو ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بالاتفاق مستثنیٰ ہیں اور دلیل اس پر یہ ہے اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

یعنی یہ اللہ کی (مقررہ) حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری

کرتے ہوئے ان حدود کے اندر رہے گا اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا۔ (الآیہ)

معلوم ہوا کہ یہ حکم اُمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں' ورنہ

من يطع الله ورسوله (النساء:۱۳)

ترجمہ: جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا۔

کا مطلب کیا ہو گا؟

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ضمیر "کم" جمع مخاطب موجود ہے جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باتفاق فریقین مستثنیٰ ہیں مثلاً

(۱) تو نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جو تمہیں خوش آئیں دو دو' تین تین اور چار چار

(النساء)۔

اس آیہ کریمہ میں بھی خطاب اُمت کو ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں' چنانچہ آپ کے نکاح میں بیک وقت نو بیویاں تھیں۔

(۲) اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

(۳) اور جان لو کہ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے۔

ان دونوں آیتوں میں کم ضمیر مخاطب موجود ہے۔ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس' اسی طرح

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔

میں خطاب اُمت کو ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اعتراض نمبر ۳: اگر انبیائے کرام کا مالی ورثہ ان کے ورثاء میں تقسیم نہیں ہوتا تو اس آیہ کریمہ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ کہ وارث ہوئے سلیمان داؤد کا کیا مطلب ہے۔

جواب: اس آیت میں جس وراثت کا ذکر ہے اس سے مالی وراثت مراد نہیں بلکہ علمی وراثت مراد ہے۔ اگر مالی وراثت مراد ہو تو صرف حضرت سلیمان ہی نہ وارث ہوتے۔

نیز اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو اس کے ذکر ہی کی کیا ضرورت ہوئی تھی' حضرت

سلیمان بلاشک وشبہ حضرت داؤد کے بیٹے تھے اور بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا خصوصیت کے ساتھ بیان فرمانا ہی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وراثت علمی تھی نہ کہ مالی ورنہ دنیا کے مال کا وارث ہو جانا بھی کسی نبی کے فضل وکمال کا باعث ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (النمل:۱۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم عطا فرمایا۔

یعنی وہ علم وحکمت اور نبوت جو ہم نے داؤد کو عطا فرمائی تھی، اس کے وارث ان کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے۔ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ''اصول کافی'' کی ایک فیصلہ کن روایت ہدیہ قارئین ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یعنی بیشک سلیمان وارث ہوئے داؤد کے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارث ہوئے سلیمان کے۔

معلوم ہوا کہ داؤد کی وراثت مالی نہ تھی بلکہ علمی تھی جس کے وارث سلیمان ہوئے اور حضرت سلیمان کی وراثت کے مالک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے۔ حالانکہ ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سلیمان کے درمیان کئی پشتیں گزریں۔ کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ کون سا متروکہ مال ہے جس کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارث ہوئے:

اعتراض نمبر ٤: حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی:

تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا ڈال جو میرا کام اٹھالے وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو۔

جواب: اس آیت سے تو معترض کی سخت تردید ہوتی ہے اور اس کے مبلغ کا بھی پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام عرض کررہے ہیں اے اللہ مجھے ایک بیٹا عطا فرما

یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (مریم:٦)

ترجمہ: وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو۔

اور آگ یعقوب کا وارث بنے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا کے تو وارث بن سکتے تھے مگر آل یعقوب کے وارث کس طرح؟ حالانکہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ کیا آل یعقوب کا مال ابھی تک غیر منقسم پڑا ہوا تھا جس کا وارث حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بننا تھا؟

درحقیقت اس آیت سے مراد یہی ہے کہ اے اللہ مجھے ایک بیٹا عطا فرما جو میرے بعد میرے منصب نبوت اور علم و حکمت کا وارث بنے اور یہی آل یعقوب کا ورثہ تھا۔

مسئلہ فدک اور وراثت انبیاء اور اعتراضات کے جوابات مختصر طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ ''اہل انصاف حضرات کے لئے اسی قدر کافی ہے اور دوسروں کے لئے دفتروں کے دفتر بیکار۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور ہمارے سینوں کو بغض و حسد سے پاک فرمائے۔

نورِ نظرِ مصطفیٰ، جانِ مرتضیٰ، راحتِ حسنین مجتبیٰ، مخدومۂ کائنات، اُم السادات، سردارِ خواتینِ جہاں، فخرِ مادراں، خاتونِ جنت حضرت طیبہ طاہرہ ذاکرہ عابدہ راضیہ سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فضائل و حالات لکھنے کے بعد اُم المومنین حبیبہ حبیب ربّ العالمین، صدّیقہ بنت صدیق، عتیقہ بنت عتیق، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھی کچھ فضائل و مناقب حصول برکت و سعادت کے لئے پیش خدمت ہیں۔ تا کہ مسلمان بھائیوں اور مسلمان بہنوں کو ان پاکیزہ ہستیوں کے درجات و مراتب، فضائل و محامد، علم و فضل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، عبادت و ریاضت، شرم و حیا اور دیگر اعمال حسنہ کا علم ہو جائے نیز مسلمان خواتین ان کی سیرت مقدسہ سے سبق حاصل کریں اور ان کی اتباع کر کے اپنی زندگیوں کو پاکیزہ بنائیں۔

فضائل اُمّ المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی ﷺ
اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام

حضور اکرم‘ رحمت عالم‘ نورِ مجسم‘ شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہی محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب غزوۂ سلاسل سے واپس آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ: آپ کو تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ! انہوں نے کہا: مردوں میں‘ فرمایا: ان کا باپ (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (بخاری شریف ۵۱۷/۱)

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی‘ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اے بیٹی! عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ریس نہ کیا کر کہ وہ تم سے خوبصورت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوبہ ہے۔ (بخاری شریف ۷۸۵/۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسلمانوں کے وظیفے مقرر کئے تھے تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات کے دس دس ہزار اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ ہزار مقرر کئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو ہزار زیادہ کئے اور فرمایا‘ یہ اس لئے کہ وہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حبیبہ ہیں۔ (المستدرک ۸/۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے:

اے اللہ! یہ عادلانہ تقسیم جو میرے اختیار میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) وہ تو میں کرتا ہوں اور جو میرے اختیار میں نہیں (یعنی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قلبی محبت) اس سلسلے میں مجھے ملامت نہ کرنا' یعنی معاف کرنا۔

(ابوداؤد شریف ج۱ص ۳۴۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے ہو کہ اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرسکو اگرچہ تمہیں اس کی بڑی خواہش ہے۔ (النساء ۱۲۹)

یعنی ایک سے زائد بیویاں اگر تمہارے نکاح میں ہوں تو یہ تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور چاہت وغیرہ میں مساوات اور برابری رکھ سکو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی فطری امر کا اظہار کیا ہے۔ کہ اللہ قلب کا معاملہ آپ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ لہٰذا عائشہ کی محبتؓ کے معاملے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔

چونکہ تمام صحابہ کرام جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عائشہ سے زیادہ محبت ہے اس لئے جس دن ان کی باری ہوتی' اس دن صحابہ آپ کی خدمت میں ہدیئے اور تحفے بھیجتے اور آپ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرتے۔ بعض ازواج مطہرات کو اس کا شدت سے احساس ہوا تو انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ میں جہاں بھی ہوا کروں ہدیئے اور تحفے بھیجا کرو اور عائشہ کے دن کی تخصیص نہ کیا کرو۔

حضرت اُم سلمہ نے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا تو آپ نے فرمایا:

تم میں سے سوائے عائشہ کے اور کوئی میرے ساتھ ہوتی ہے تو مجھ پر وحی نہیں آتی اور عائشہ میرے ساتھ میرے لحاف میں ہوتی ہے تب بھی مجھ پر وحی آتی ہے۔

(کنز العمال ج۶ ص ۲۲۵)

آخر سب ازواج مطہرات نے مشورہ کر کے حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کو اس بات کے لئے آمادہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہیں۔ حضرت سیّدہ نے ان کی طرف سے درخواست پیش کی:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے میری بیٹی جس کو میں محبوب رکھوں تو اس کو محبوب نہیں رکھے گی؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! سیّدہ واپس آئیں اور ازواج کو بتایا انہوں نے پھر بھیجنا چاہا تو سیّدہ نے انکار کر دیا' (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۵۱)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زانو پر سر رکھ کر سو جاتے۔ ان کے ساتھ ایک دستر خوان بلکہ ایک برتن میں کھانا کھاتے۔ کھانے میں محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جسے حضرت عائشہ چوستیں پیالے میں وہیں منہ کر کے پیتے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا منہ لگاتیں۔

(مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ ۲۱۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک فارسی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا' اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی

فقال وهذه لعائشة

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ساتھ عائشہ کی بھی؟ تو اس نے کہا نہیں! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں بھی قبول نہیں کرتا' پھر دوبارہ آیا تو پھر یہی سوال وجواب ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر آیا تو آپ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ ساتھ عائشہ بھی ہوگی؟ اس نے کہا جی ہاں! پھر آپ اور حضرت عائشہ اس کے گھر گئے۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۷۶)

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ آپ کے تنہا دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس روز گھر میں فاقہ تھا' آپ کے انس ومحبت اور لطف وکرم سے بعید تھا کہ گھر میں بیوی کو اکیلا چھوڑ کر کھانا کھالیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے فقیر کا یہ طریق تھا کہ اگر کھانا پکاتا تو اس کا ثواب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و حضرت امیر المومنین و حضرت فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواح مقدسہ کے لئے ہی خاص کرتا تھا اور ازواج مطہرات کا نام شامل نہ کرتا تھا تو؟

ایک رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں فقیر نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور چہرہ انور دوسری جانب پھیر لیا اور فقیر سے فرمایا کہ میں عائشہ صدیقہ کے گھر کھانا کھاتا ہوں' جس کسی نے مجھے کھانا بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ کے گھر بھیجا کرے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ کے توجہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ بلکہ تمام ازواج مطہرات کو دعا میں شامل نہیں کرتا تھا بلکہ سب اہل بیت کو شریک کیا کرتا اور تمام اہل بیت کو اپنے لئے وسیلہ بناتا تھا'

(مکتوبات شریف' دفتر دوم' حصہ ششم' مکتوب نمبر ۳۶)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں ازواج مطہرات میں سے ایک کو ساتھ رکھتے تھے' اس میں بہت سی حکمتیں تھیں' اس سلسلے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام آ جاتا وہ آپ کی رفیقِ سفر ہوتیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا متعدد بار آپ کے ساتھ سفر میں رہیں ہیں۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں تمام صحابہ کرام کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا' اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا آؤ دوڑ لگائیں۔ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے؟ چنانچہ دوڑ میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے نکل گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر ایسا موقع آیا پھر دوڑ ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ اس دن کا بدلہ ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! جب تم مجھ سے راضی یا ناراض ہوتی ہو تو مجھے پتہ لگ جاتا ہے

فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیسے یا رسول اللہ؟

فرمایا: جب تم راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو ربّ محمد کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ربّ ابراہیم کی قسم تو میں نے عرض کیا ہاں صرف زبان سے آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں' دل تو محبت سے لبریز ہی ہوتا ہے۔

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے
اس کا تو بیاں ہی نہیں تم جسے چاہو

یہ وہ روایت پیش کی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کتنی محبت تھی اور وہ روایات جن سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے' ہم نے یہاں نقل نہیں کی ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز تہجد کے لئے اٹھتے۔ جب رات آخر ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اٹھاتے تو وہ بھی اٹھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتیں۔ جب صبح ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنت نماز پڑھ کر ایک کروٹ لیٹ جاتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باتیں کرتے۔ کبھی کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات بھر اسی طرح عبادت میں مشغول رہتے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقتدی ہوتیں۔ گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کام خود کرتیں۔ آٹا خود پیستی تھیں' خود گوندھتی تھیں' کھانا خود پکاتی تھیں' بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں' وضو کا پانی خود لا کر دیتی تھیں' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھی جسم مبارک پر عطر مل دیتی تھیں' آپ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتیں تھیں' سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں۔ مسواک کو صفائی کے غرض سے دھویا کرتی تھیں۔

ایام مرض الموت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کو جمع

کر کے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہنے کی اجازت چاہی' انہوں نے خوشی سے اجازت دی تو آپ نے ظاہر زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے حجرے میں گزارے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن میرے حجرے میں آئے۔ ان کے پاس تازہ مسواک تھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مسواک کی طرف دیکھا میں نے وہ مسواک ان سے لے لی اور اور اپنے منہ میں ڈال کر اس کو چبایا اور نرم کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری ساعتوں میں میرا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ نے لعاب دہن جمع کیا' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری گود میں انتقال فرمایا' انتقال کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ انور میرے سینے پر تھا۔ (ابن اثیر' ابن سعد)

حضرت عائشہ کا یہی حجرہ مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ اور قیامت تک کے لئے جن وانس اور فرشتوں کی زیارت گاہ بن گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت زیادہ محبت تھی اس کی وجہ حسن و جمال نہ تھا ان کی دینداری اور باطنی فضل وکمال تھا' نگاہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ ان کی ذات سراپا فیض و برکت بنے گی اور اُمت کو ایک تہائی دین ان کے ذریعے ملے گا۔

فضائل ومناقب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ نبی کے گھر والو! تم سے ہر ناپاکی کو دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے''۔ اس آیت کے سیاق وسباق پر نظر کیجئے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ
خطاب صریح طور پر موجود ہے اور ''بیوت'' کی نسبت بھی انہی کی طرف کی گئی ہے چنانچہ آیت ہذا سے پہلے فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔

اور آیت ہذا کے بعد فرمایا؟

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ۔(الاحزاب:۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

نیز سورۃ ہود میں فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود:۷۳)

ترجمہ: اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والو۔

سورۃ طلاق میں مطلقہ عورت کے متعلق فرمایا:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ ۔(طلاق:۱)

ترجمہ: عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

سورۃ یوسف میں بھی بیت کی نسبت زلیخا کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا ۔(یوسف:۲۳)

ترجمہ: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھا۔

ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات یقیناً اہل بیت ہیں اور یہ بھی یقیناً حق ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اقارب مثل حضرت عباس وجعفر وحمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب اہل بیت میں داخل ہیں مگر ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ ہیں۔ یہاں تطہیر سے مراد قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی، اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو عطا

فرماتا ہے۔

اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں جیسی نہیں ہو (الاحزاب:۳۲)

یعنی تمہارا مقام و مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں کیونکہ تمہیں سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا گیا ہے' فرمایا:

(اے نبی کی بیویو) تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے۔ اور نیک عمل کرے ہم ان کو دگنا اجروثواب دیں گے اور تیار کی ہے ہم نے اس کے واسطے عزت کی روزی۔ (الاحزب:۳۱)

ازواج کو اعمال صالحہ پر دگنا اجر وثواب ملنا ان کی عظمت وشان کی روشن دلیل ہے فرمایا:

گندی عورتیں گندے مردوں کے واسطے اور گندے مرد گندی عورتوں کے واسطے اور پاک مرد پاک عورتوں کے واسطے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے واسطے ہیں۔ (النور ۲۶)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طیبین کے سردار ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات طیبات کی سردار ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب اور افضل ترین بیوی ہونے کی حیثیت سے ان مرتبہ وخصوصیات کی سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے پسند فرمایا چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگیا تو جبریل سبز رنگ کے ریشمی کپڑے میں عائشہ کی صورت کے ساتھ آئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔

(کنزا لعمال ج ۲/۲۲۵) المستدرک ج ۴/۱۰)

اور جنت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ ہو گا اور یقیناً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی مقام میں آپ کے ساتھ ہوں گی'

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مردوں میں سے تو بہت سے کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی قابل نہ ہوئی اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر۔ (بخاری شریف صفحہ ۱/۵۳۲)

فائدہ: ثرید ایک عربی کھانا ہے جو روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہر زمانے میں ثرید عربوں میں بہت اعلیٰ غذا سمجھی جاتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب منافقین نے ان کی عزت و آبرو پر ناپاک حملہ کیا اور ان پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی کی شہادت دی۔ اور تہمت لگانے والوں کو دنیا و آخرت میں ملعون قرار دے کر ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی۔

حالانکہ جب نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچے سے ان کی پاک دامنی کی شہادت دلوائی۔ اور حضرت مریم صدیقہ پر تہمت لگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے جو اس وقت گود کے بچے تھے' شہادت دلوائی۔ حضرت جریج عابد و زاہد پر تہمت دلوائی تھی' لیکن یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ خود شہادت دے کر ان کی عظمت و شان کے ڈنکے بجاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو درختوں کے پتے' زمین کی ریت کے ذرّے' سمندر کے پانی کے قطرے اور جانور بھی شہادت دیتے' مگر یہ محبوب کی محبوبہ' صدیق اکبر کی بیٹی' صدیقہ کی عزت و آبرو کا مسئلہ تھا۔ بلکہ درپردہ اس کے محبوب کی عزت و ناموس کا مسئلہ تھا' یہاں احکم الحاکمین' خالق السمٰوات والارض خود شہادت دیتا ہے۔

اسی طرح ایک سفر میں حضرت عائشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کہ رات کہ وقت ان کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر

دی۔ آپ نے ایک آدمی اس کے ڈھونڈنے کو بھیجا اور خود حضرت عائشہ کے زانو پر سر انور رکھ کر آرام فرمانے لگے صبح قریب تھی اور وہاں پانی مطلقاً نہ تھا' جب نماز کا وقت قریب ہو گیا تو لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ساری فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے انہوں نے غصے سے حضرت عائشہ کے پہلو میں کئی کونچے دیئے اور فرمایا تمہاری وجہ سے ایک نئی مصیبت سب کے آپڑی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے زانو پر آرام فرما رہے تھے انہوں نے جنبش تک نہ کی کہ کہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ واقع ہو جائے کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت بے چین تھے کہ وضو کہاں سے کریں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو حاجت ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہو تو تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرلو اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرلو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے"

(نساء آیت ۷)

آیت کے نزول کے وقت وہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو سخت بے چین اور پریشان تھے خوشی و مسرت سے اپنی ماں کو دعا دینے لگے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اے آلِ ابوبکر! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ (بخاری)

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

اے صدیقہ آپ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے' خدا کی قسم جب بھی آپ پر کوئی ایسا امر پیش آتا ہے جو آپ کو ناگوار گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں آپ کے اور مسلمانوں

کے لئے بہتری فرمادیتا ہے۔ (بخاری)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پہلے اتنے ناراض تھے کہ عائشہ کے پہلو میں کئی کونچے دیئے تھے اب فخر کے ساتھ اپنی بیٹی سے فرمارہے تھے:

بلاشبہ تم بہت مبارک ہو۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیقہ! تمہارے ہار کی کیسی عظیم الشان برکت ہے کہ مسلمان تمہارے صدقے میں' سفر' بیماری اور مجبوری کی حالتوں میں تیمم سے طہارت حاصل کرتے رہیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ سے کہا:

اُم المومنین! اللہ تعالیٰ نے تمہارے سبب اور تمہاری برکت سے اُمت کو یہ (تیمم کی) رخصت عنایت فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵) ابن سعد ج ۸ ص ۷۵)

حضرت عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں فخر سے نہیں کہتی بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دس باتیں ایسی عطا فرمائیں ہیں جو کسی اور کو نہیں ملیں:

فرشتہ میری صورت لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا' جب میں سات برس کی تھی تو آپ نے مجھ سے نکاح کیا' اور نو برس کی عمر میں رخصتی ہوئی' میرے سوا آپ کی کوئی بیوی کنواری نہ تھی' جب میں اور آپ ایک ہی لحاف میں ہوتے تب بھی وحی آتی میں آپ کو سب سے زیادہ پیاری تھی' میری شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں' جب کہ لوگ اس آزمائش میں ہلاکت کے قریب تھے' میں نے جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میرے سوا آپ کی کسی اور بیوی نے ان کو نہیں دیکھا۔ آپ نے میرے گھر میں میری گود میں وفات پائی جبکہ میرے اور فرشتے کے سوا اور کوئی قریب نہ تھا۔ اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ کا وصال اس رات ہوا جو میری باری کی رات تھی اور آپ میرے گھر ہی میں دفن ہوئے۔

(المستدرک ج ۸ ص ۶۳)

باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا درجہ اور مرتبہ عطا فرمایا تھا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوبیت سے نوازا تھا مگر آپ کی عاجزی و انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی منہ پر آپ کی تعریف کرتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی تعریف کی' سن کر فرمایا' کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی کبھی فرماتیں اے کاش میں پتھر ہوتی۔ اے کاش! میں کسی جنگل میں جڑی بوٹی ہوتی۔ (ابن سعد)

اسی طرح ایک دن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ میں تم سے افضل ہوں اس لئے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جگر پارہ ہوں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: دنیا میں ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہہ رہی ہو اور آخرت میں' میں نبی کریم صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بحیثیت زوجہ کے ہوں گی' ایک تو دائمی معیت دوسرے وہی درجہ جس میں آپ ہوں گے۔ یہ دونوں باتیں مجھے حاصل ہوں گی جو تمہیں حاصل نہ ہوں گی کیونکہ تم علی کے ساتھ ہو گی اور جنت میں قرب ہونا دلیل فضیلت ہے یہ سن کر سیّدہ فاطمہ چپ ہوگئیں:

تو حضرت عائشہ کھڑی ہوگئیں اور سیّدہ کے سر کو چوم کر کہنے لگیں' اے کاش! میں تمہارے سر کا ایک بال ہوتی۔ (نزہۃ المجالس)

علم و فضل

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ہم اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی ہے جس کو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا ہو مگر ان کے پاس اس کا علم نہ پایا ہو۔ (ترمذی مناقب عائشہ)

امام زہری جو تابعین کے امام و پیشوا تھے جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی تھی' فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ علم والی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے پوچھا کرتے تھے۔

یہی امام زہری فرماتے ہیں:

اگر تم لوگوں اور ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ کا علم ان سب سے بڑھ جاتا۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱)

حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد مدینہ منورہ کے سات مشہور اہل علم تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت ہی میں مستقل طور پر افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمر، حضرت عثمان اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتویٰ دیتی رہیں۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۵)

حضرت عائشہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور یہ دونوں حضرات ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کے متعلق پوچھوایا کرتے تھے۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۳۵۵)

حضرت عطا بن ابی الرباح تابعی جن کو متعدد صحابہ کے تلمذ کا شرف حاصل ہے، فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ سمجھنے والی سب سے زیادہ علم والی اور لوگوں میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

(مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۴، الاستیعاب ج ۲ ص ۷۶۵)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا اور رائے اگر اس کی ضرورت پڑے، ان سے زیادہ باسمجھ اور آیتوں کی شان نزول اور فرائض کے مسائل کا زیادہ جاننے والا حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۵)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے حلال و حرام اور علم اور شاعری اور طب میں اُم المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (مستدرک ج ۴ ص ۱۱)

حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ خوش کلام کسی کو بھی نہیں دیکھا

(مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱ ترمذی باب المناقب)

حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں:

میں نے کسی مخلوق کے منہ کی بات حسن بیان اور متانت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے منہ کی بات سے عمدہ اور بہتر نہیں سنی۔

بلاشبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم و فضل میں نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں میں بھی ممتاز تھیں۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور فقہ و احکام شریعت میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معلم شریعت خود گھر میں تھا۔ شب و روز اس کی صحبت میسر تھی۔ روزانہ مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و ارشاد کی مجلس مقرر ہوتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد کے ساتھ تھا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کو نہایت غور سے سنتیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو دوبارہ پوچھ کر تشفی کر لیتیں۔ ہمیشہ مسائل دریافت کرتی رہتی تھیں اور بعض دفعہ بعض مسائل میں بحث بھی کرتی تھیں۔ اور جب تک تسلی نہ ہو جاتی چھوڑتی نہیں تھیں۔ بحث و مباحثہ میں بے تکلفی ہوتی مگر سیّدہ ہرگز حد ادب سے تجاوز نہ کرتیں۔ ان کا بحث کرنا گستاخی میں داخل نہیں وہ اگر مباحثہ نہ کرتیں تو اُمت محمدیہ بہت سے اسرار اور مسائل سے ناآشنا رہتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پوری اُمت پر اور خصوصاً مسلمان خواتین پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات اور ارشادات کو صحیح صورت میں اُمت کے سامنے پیش کیا۔ اور سینکڑوں مسائل جن میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے ان کی تشریح و

توضیح فرما کر صاف کر دیا۔ ان کی ان علمی و دینی خدمات کو سامنے رکھا جائے تو بلاشبہ عورتوں کے بعض پردے کے مسائل جن کی تفصیل نہ تو عورتیں بوجہ شرم وحیا کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ سکتی تھیں اور نہ آپ ان کے سامنے برملا بیان فرماتے تھے' وہ سب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے ہی خواتین اُمت کو معلوم ہوئے۔

عبادت اور سخاوت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کثرت سے عبادت کرتی تھیں ہمیشہ روزہ رکھتیں۔ (ابن سعد ج ۸ ص ۴۸)

ہر سال حج کرتیں۔ بہت زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

بے شک میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ستر ہزار کی رقم راہ خدا تعالیٰ میں تقسیم کر دی' حالانکہ وہ خود اپنی قمیص کی جیب کو پیوند لگاتی تھیں۔

(حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ۲ ص ۴۷)

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے رہنے کا مکان ایک لاکھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ فروخت کیا۔

تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک لاکھ درہم بھیجے'

خدا کی قسم! اسی دن شام ہونے سے پہلے پہلے آپ نے سب محتاجوں میں تقسیم کر دیئے' لونڈی نے عرض کیا۔ اگر آپ ان درہموں میں سے ایک درہم کا ہمارے لئے گوشت خرید لیتیں؟ فرمایا اگر تو پہلے کہتی تو میں ضرور ایک درہم رکھ لیتی۔

(حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۴۹)

حضرت اُم ذرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں دو تھیلیاں بھیجیں جن میں ایک لاکھ درہم تھے' آپ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے ان کو ایک طبق میں رکھ دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دن روزے سے تھیں

پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو تقسیم کرنا شروع کر دیا شام کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان درہموں میں سے ایک بھی نہ تھا پھر فرمایا میرے لئے افطاری لاؤ۔ میں روٹی اور زیتون کا تیل لے کر گئی اور کہا اُم المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان درہموں میں سے تھوڑا سا گوشت افطار کے لئے نہیں منگوا سکتی تھیں؟ فرمایا اب کچھ نہ کہو' اگر اس وقت یاد دلاتیں تو میں ضرور منگوا لیتی۔

(حلیۃ الاولیاء)

حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک ٹوکری' انگوروں کی ہدیہ آئی۔ لونڈی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھپا کر ان انگوروں میں سے کچھ الگ رکھ لئے' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ سب انگور لوگوں میں تقسیم کر دیئے رات کے وقت لونڈی نے وہی انگور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رکھے۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا؟ لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتائے بغیر ان میں سے کچھ الگ رکھ لئے تھے! فرمایا:

خدا کی قسم! میں ان میں سے ایک دانہ بھی نہیں کھاؤں گی۔

ایک دن حسب معمول روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک مسکین نے دروازے پر آ کر سوال کیا۔ لونڈی سے فرمایا وہ روٹی اس سائل کو دے دو؟ لونڈی نے عرض کیا' شام کو افطاری کس چیز سے کریں گے؟ فرمایا تم یہ تو ابھی دے دو؟

لونڈی نے وہ روٹی سائل کو دے دی۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا پکا ہوا گوشت ہدیۃً بھیجا۔ لونڈی سے فرمایا:

لو اس میں سے کھاؤ' یہ تمہاری روٹی سے بہتر (اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا) ہے۔

(مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۲۵۸)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کئے ہوئے غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔ دل میں بہت زیادہ خوف الٰہی تھا۔ نہایت رقیق القلب اور رحم دل تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں نماز وتر کے بعد رات کے وقت ہوئی تھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات ہی کو دفن کر دینا' صبح کا انتظار نہ کرنا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازے میں اتنا ہجوم تھا کہ اہل مدینہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ جب جنت البقیع میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کیا گیا تو عورتوں اور مردوں کا اس قدر اژدہام تھا کہ گویا روز عید کا ہجوم ہے لوگ زار وقطار روتے تھے گویا قیامت برپا تھی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھ کر فرمایا کہ عائشہ کے لئے جنت واجب ہے اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل ومناقب بیشمار ہیں جن کی ایک جھلک سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے' یہاں مقصود حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا اور آپ کے فضائل کا تقابل وتوازن نہیں ہے۔ ہم غلام کہاں اس لائق کہ ان مقدس نفوس کے درمیان موازنہ مقابلہ کریں' اگر ایک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نور نظر ہیں تو دوسری دنیا وآخرت میں محبوب ترین بیوی ہیں۔ دونوں ہماری آقا ہیں اور ہم دونوں کے ادنیٰ غلام ہیں' ہمارا مقصود ان کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ عقیدت ومحبت کی پیشکش ہے کہ اگر یہ ہدیہ قبول ہو جائے اور کفش برداروں میں حشر ہو جائے تو زہے نصیب۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

نیز وہ لوگ جو ان کی بعض اجتہادی غلطیوں کو سامنے رکھ کر ان کی شان میں سخت گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے اور وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور اپنی حیثیت پر نظر کریں اور یہ سوچ کر باز آ جائیں کہ ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کیسی کیسی مقدس ہستیوں کے خلاف زبان وقلم دراز کرتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

علامہ صفوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بعض نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برائی کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس کو نہ روکا۔ پس میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری بیوی کو برا کہتا ہے تو اس کو کیوں نہیں روکتا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں روکنے پر قادر نہیں تھا! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اور میری آنکھوں کی طرف انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا' پس میں جاگا تو میں اندھا ہو چکا تھا۔

مرد و عورت کی پیدائش

اسلام ہی وہ پہلا دین ہے۔ جس نے عورت کے حالات درست کر کے اسے عزت کا مقام بخشا ورنہ اسلام سے پہلے عورت کی حالت نہایت مذموم اور الم ناک تھی۔ اسلام ہی نے تمدن میں عورت کو مساوات کا درجہ دیا ہے۔

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت و مرد ایک ہی خالق کی مخلوق اور ایک ہی صانع (یعنی بنانے والے) کی صنعت کاری کے شاہکار ہیں۔ ایک ہی مٹی کا خمیر اور ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ دونوں انسانیت کا جزو یعنی ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہیں۔ دونوں کا وجود نسل انسانی کی بقا اور افزائش کے لئے ضروری ہے۔ دونوں کی پیدائش اور پرورش و تربیت ایک ہی اصول اور قاعدے کے مطابق ہوئی ہے دونوں پر حقوق اللہ اور حقوق العباد واجب ہیں دونوں کے لئے نیکی و پرہیز گاری اور بدی و بدکاری کی جزا و سزا برابر ہے علی ہذا القیاس! اس میں شبہ نہیں کہ ذات اور انسانیت کے اعتبار سے دونوں میں کامل مساوات ہے لیکن جہاں تک صفات' عادات' طباع' عقول' استعداد اور درجات و مراتب کا تعلق ہے اس میں فطری' خلقی اور طبعی طور پر مساوات و برابری نہیں ہے۔ بعض امور میں عورتوں کو مردوں پر فوقیت دی گئی ہے اور بعض میں مردوں کو عورتوں پر

فضیلت بخشی گئی ہے تاکہ تناسب اور توازن قائم رہے۔

اگر خالق کائنات سب کو ایک جیسی صلاحیت، ایک جیسی قوت، ایک جیسی عقل، ایک جیسا فہم، ایک جیسی استعداد، ایک جیسا حسن و جمال ایک جیسا علم و عمل، ایک جیسا خلق و عادات، اور ایک جیسا مال دولت عطا فرما دیتا اور سب کو ہم درجہ وہم مرتبہ بنا دیتا تو کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا اور نہ کوئی کسی کا کام کرتا تو یہ نظام کائنات کس طرح چلتا۔ اس لئے اس نے مختلف افراد کو مختلف صلاحیتیں اور جداگانہ قوتیں بخشی ہیں تاکہ یہ نظام کائنات بنا رہے اور ہر ایک اپنا اپنا کام کرتا رہے۔

مرد و عورت کی خصوصیات

اسی فطری قانون کے مطابق اس نے مرد و عورت کے درمیان مختلف خصوصیات پیدا کیں اور مختلف ذمہ داریاں ان کو سونپیں اور حکم دیا کہ دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ان دونوں نے ایک دوسرے کے کام اور ذمہ داری میں دخل دیا تو یہ قانون فطرت کے خلاف ہوگا جس سے نظام فطرت درہم برہم ہو جائے گا۔ اور معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ آج کل کے بعض افراد جو اسلامی تعلیم سے ناآشنا ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ وشیدائی ہیں۔ قانون فطرت کے خلاف یہ صدا بلند کررہے ہیں کہ عورت کو ہر مقام میں مردوں کے برابر ہونا چاہئے۔ انہی لوگوں کی اس غلط اور تباہ کن تحریک کا نتیجہ ہے کہ آج بعض عورتیں فطرت کے اصولوں کی خلاف ورزی کررہی ہیں جس سے ایک طرف خود عورت کی مخصوص حیثیت ختم ہورہی ہے اور دوسری طرف معاشرے پر تباہ کن اثر ہورہا ہے۔ عورتوں اور مردوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس جس غرض کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے اور انہیں جو مخصوص فطری صلاحیتیں اور قوتیں بخشی گئی ہیں ان کو وہ صرف انہی اغراض و مقاصد کے لئے عمل میں لائیں اور ہر ایک اپنے آپ کو اپنے دائرے میں رکھے اور اس سے آگے نہ بڑھے۔

عورت مرد بننے اور مرد عورت بننے کی کوشش نہ کرے۔ یعنی ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لینے کی کوشش نہ کرے ورنہ وہ اپنی خلقی اور فطری صلاحیتوں سے

محروم ہو جائیں گے اور اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھیں گے۔

ایک عورت اور ایک مرد کی سعادت اور بھلائی اس میں ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرے میں رہیں۔ یعنی عورت عورت رہے اور مرد مرد رہے۔ افسوس! کہ مرد عورت دونوں زندگی کی راہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو رہے ہیں اور قدرت کی عطا کی ہوئی فضیلتوں اور خصوصیتوں سے ناجائز فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

مسلمان عورتوں کے لئے دعوت فکر

اے مسلمان خاتون!

اللہ تعالیٰ نے تجھے کیا مرتبہ دیا ہے۔ تجھے حسن و جمال عصمت و عفت' شرم و حیا کے زیور سے آراستہ کیا لیکن آج تو کلبوں اور ہوٹلوں کی زینت بنی ہوئی ہے تجھے بے غیرت اور ہوس پرست لوگوں نے اپنی اغراض ملعونہ کی تکمیل کے لئے ایک کھلونا بنا رکھا ہے۔ تجھے کاروباری لوگوں نے اشیاء کے پروپیگنڈے اور فروخت کا اشتہار اور ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اے مسلمان خاتون! یہ تیری شرم و حیا کا دامن چاک کرنے والے تجھے اپنی ہوس کا کھلونا بنانے والے' تجھے کلبوں اور ہوٹلوں کی زینت بنانے والے' تجھے اپنی اشیاء کی فروخت کا ذریعہ بنانے والے' تیرے خیر خواہ نہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ انہوں نے تجھ سے تیرا مقام و مرتبہ چھین لیا ہے۔ تجھے' عزت کے مقام سے نکال کر ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ اور تیری دنیا و آخرت کو تباہ کر دیا ہے۔

اے مسلمان خاتون!

تیری عزت' تیری قدر اسی میں ہے کہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمان بردار بن کر سیّدہ فاطمہ زہرا' حضرت خدیجۃ الکبریٰ' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی مقدس سیرت کو اپنے لئے مشعل راہ بنا' ان کے نقش قدم پر چل' شرم و حیا کا مجسمہ' عفت و پاکدامنی' علم و عمل کا پیکر بن' فرائض و واجبات کی پابندی کر۔ اسلامی پردہ اختیار کر اور دونوں جہاں میں عزت حاصل کر۔

اے مسلمان خاتون!

تیرے خالق و مالک اللہ تعالیٰ جل شانہ اور تیرے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تجھے کیا تعلیم دی ہے اسے غور سے دیکھ اور اس پر عمل کر' سن! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان والی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں' غیر محرموں کو نہ دیکھا کریں' اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت و آرائش (غیروں پر) ظاہر نہ کیا کریں۔ کیونکہ غیروں کو ---اپنا حسن' جوانی' زینت دکھانا فتنہ وفساد کی جڑ ہے فرمایا اللہ عزوجل نے

"اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کو نہ دکھاتی پھرو"۔ (احزاب ۳۲)

یعنی اپنا حسن وجمال' زینت و آرائش لوگوں کو نہ دکھاتی پھرو۔ اگر ایسا کرو گی تو لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف اٹھیں گی۔ اور تمہاری وضع اور انداز سے لوگ تمہارے متعلق غلط گمان کریں گے"' اور ہوس پرست لوگ تمہیں غلط کار سمجھ کر تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا:

اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلا کریں تو وہ اپنے اوپر بڑی چادروں کو ڈال لیا کریں اس سے یہ ہوگا کہ وہ پہچانی جائیں گی (یہ شریف پردہ دار خواتین ہیں) تو ان کو ستایا نہ جائے گا۔ یعنی جب وہ اپنی زینت و آرائش' حسن و جمال' بناؤ سنگھار وغیرہ کو چھپا کے شرم وحیا کا پیکر بن کر نکلیں گی تو دیکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ یہ شریف گھرانوں کی خواتین ہیں' جن کی عزت کا احترام ہر شریف آدمی کا فرض ہے۔ اس طرح لوگ ان کو ستائیں گے نہیں اور نہ ان کے پیچھے پڑیں گے اور ان کی عزت وعصمت محفوظ رہے گی۔

شریف مردوں اور عورتوں کے اوصاف

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں' فرماں

برداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں' سچ بولنے والے مرد' اور سچ بولنے والی عورتیں' صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں' عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں' روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں' اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور پارسائی کی حفاظت کرنے والی عورتیں' اور بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔" (احزاب: ۳۵)

ایک مقام پر فرمایا:

"مرد عورتوں پر محافظ و نگراں ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے مردوں کو عورتوں پر اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں' تو نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مردوں کی غیر حاضری میں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔"

ارشادات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

* دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے افضل نہیں ہے۔ (ابن ماجہ شریف)
* دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔ (نسائی شریف)
* جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھ کر حسن سے متاثر ہو تو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا جائے کیونکہ اس کے پاس بھی وہی کچھ ہے جو اس کے پاس تھا۔ (ترمذی شریف)
* جب عورت اپنے شوہر سے (بلاوجہ) اجتناب کرتے ہوئے الگ رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہاں تک کہ (وہ خاوند کی طرف لوٹے۔ (بخاری شریف)
* عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ (بخاری شریف)

* بلاشبہ اللہ نے تمہیں اس بات کی رخصت دی ہے کہ تم اپنی حاجتوں کے واسطے گھر سے نکل سکتی ہو۔ (بخاری شریف)
* جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف اپنے گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اور جن وانس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے لعنت بھیجتی ہے جب تک واپس نہ آ جائے۔ (کشف الغمہ)
* جو عورت خوشبو وغیرہ سے معطر ہو کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے۔ تا کہ لوگ اس کی خوشبو پائیں وہ زانیہ ہے اور ہر وہ آنکھ جو اس کو دیکھے زنا کار ہے۔ (نسائی شریف)
* کسی مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ بغیر محرم آدمی کے ایک رات کا بھی سفر کرے۔ (ابو داؤد شریف)
* ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر غیر موجود ہیں کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ یعنی اس کو بہکاتے دیر نہیں لگتی۔

(ترمذی شریف)

* جس وقت کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے تو تیسرا ان کا شیطان ضرور ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف)
* خبردار! عورتوں کے پاس زیادہ آمد و رفت سے بچو۔ ایک شخص نے عرض کیا' یارسول اللہ! دیور اور جیٹھ کے بارے میں کیا ارشاد ہے فرمایا وہ تو موت ہے۔

(بخاری و مسلم)

یعنی اس کے سامنے ہونا گویا موت کا سامنا ہے۔ کیونکہ فتنے کا زیادہ احتمال ہے۔ اس لئے کہ اکثر دیور اور جیٹھ وغیرہ سے پردہ نہیں ہوتا اور دونوں میں دل لگی اور مذاق وغیرہ بھی ہو جاتا ہے۔

* جو شخص کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو چھوئے گا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو۔ قیامت کے دن اس کی ہتھیلی پر انگارہ رکھا جائے گا۔ (تکملہ فتح القدیر)
* رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی ٹھونک دی جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے

لئے حلال نہیں۔ (طبرانی، بیہقی)

آج کل کے گمراہ، بے غیرت اور ہوس پرست مردوزن جو کفار کی اندھی تقلید کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ غیر محرم ہونے کے باوجود کمر میں ہاتھ ڈالے رقص وغیرہ کرتے ہیں'' وہ بلاشبہ آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے۔

* حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ دونوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اتنے میں عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نابینا صحابی تھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے: تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم دونوں سے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ اُم سلمہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ اندھے نہیں ہیں؟ ہمیں نہیں دیکھیں گے، فرمایا تم بھی اندھی ہو اور کیا تم بھی ان کو نہیں دیکھو گی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

* حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ:

فضل بن عباس۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھے ایک عورت قبیلہ خشعم کی آئی، حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھتے تھے اور وہ عورت ان کی طرف دیکھتی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا۔ (بخاری شریف ج ا ص ۲۵۰)

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو مردوں کی طرف اور مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

* رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر کی گئی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی جب دیکھنے والا بلا عذر قصداً دیکھے اور دوسرا اپنے آپ کو بلاعذر قصداً دکھائے۔

* رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد دوسرے مرد کے ستر کی جگہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے مقام ستر کو دیکھے اور نہ کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ننگا سوئے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے

ساتھ ایک کپڑے میں ننگی سوئے (مسلم شریف)

* آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر کرنا ہے' ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے پاؤں زنا کرتے ہیں' ان کا زنا چل کر جانا ہے۔ زبان کا زنا باتیں کرنا ہے۔ دل کا زنا خواہش کرنا ہے آخر میں شرم گاہ یا تو ان سب کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا ہے کہ عورتوں سے بغیر ان کے شوہر کی اجازت کے بات چیت کی جائے (طبرانی فی الکبیر) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی دوسرے لوگوں کی خلوت میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے تو بے شک ان لوگوں کو حلال ہے کہ اس شخص کی آنکھ پھوڑ دیں۔ (مسلم شریف)

* رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں گی اور دوسروں کو اپنے اوپر مائل کرنے والی اور خود بھی دوسروں پر مائل ہونے والی ہوں گی' ان کے سر اونٹوں کے خمدار کوہان کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی۔ (مسلم شریف)

آج کل کی وہ عورتیں جو باریک کپڑے پہنتی ہیں جن سے بدن جھلکتا ہے یا نیم برہنہ لباس پہنتی ہیں جس سے پورے بازو' سر' گردن' چھاتی' کمر وغیرہ ننگی رہتی ہے یا اتنا تنگ لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کی پوری ساخت نمایاں ہوتی ہے اور جو اپنے سروں کے بالوں کو اونٹوں کے خم داری کی طرح بناتی ہیں وہ اس فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سبق حاصل کریں اور اپنے بالوں کو اس طرح بنانا چھوڑ دیں اور جہنم کی مستحق نہ ہوں۔

* بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو اپنے بالوں میں دوسری چیز کے بال ملانے والی پر اور اس کے جو ملوائے اور گودنے والی اور گودوانے والی پر۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں ان عورتوں کو ملعون فرمایا جو بازار وغیرہ سے مصنوعی بال حاصل کر کے اپنے بالوں سے ملا لیتی ہیں اور اپنے بالوں کو بڑا ظاہر کرتی ہیں اور جو گودواتی

ہیں یعنی اپنے منہ پر پیشانی میں یا رخساروں یا تھوڑی میں یا ہاتھوں میں یا سب جگہ (ایک مشین کے ذریعے سے) بھروا لیتی ہیں جو دائمی طور پر جلد میں قائم ہو جاتا ہے۔ مسلمان خواتین اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے سبق حاصل کریں اور لعنت کی مستحق ہونے سے بچیں۔

* رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت بنائیں۔

(بخاری و مسلم)

آج کل کی وہ لڑکیاں جو لڑکوں کی اور لڑکے جو لڑکیوں کی مشابہت اختیار کر رہے ہیں وہ بلاشک وشبہ اس لعنت کے مورد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (آمین)

اسی طرح اس عورت پر بھی لعنت فرمائی جو مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ عورت و مرد ایک دوسرے کی وضع اختیار نہ کریں اور وہ تمام باتیں جن سے ان میں امتیاز ہوتا ہے ان کو باقی رکھنا نہایت ضروری ہے یقین جانیئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات ہمارے ہی لئے ہیں اور ان کی پیروی ہی میں، ہماری بھلائی ہے۔ آج کے ہمارے معاشرے میں جو خرابیاں جڑ پکڑ رہی ہیں اور جو جرائم رونما ہو رہے ہیں ان کی بنیاد فطرت سے بغاوت اور احکامات خداوندی سے انحراف ہے اسی سبب بے سکونی اور بدامنی کی شکایت بڑھ رہی ہے کوئی محکمہ، ادارہ، تنظیم، جماعت، کوئی معاشرہ اور ملک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ نظام اور رابطے کی پابندی نہ کرے اسلامی قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی کر کے ہم شاید اپنے لئے جھوٹی تسلی اور بہلاوے کا سامان تو کر سکتے ہیں مگر کامیابی اور ترقی نہیں حاصل کر سکتے۔ صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا ہی مسلمانی نہیں ہے بلکہ اس کلمے کو پڑھ کر ہم اللہ اور اس کے رسول کے پابند ہو جاتے ہیں اور جو ایسا نہیں سمجھتا یا کتاب وسنت کی پابندی نہیں کرتا یقیناً وہ اپنے ایمانی دعوے میں سچا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی و بھلائی کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور اپنے پیاروں کی پیروی کی سچی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

حُبِّ اہلِ بیت

شریعت مطہرہ نے ہر مسلمان پر حضور پُرنور شافع یوم النشور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت، اس عزیز واقارب اور احباب سے زیادہ لازم کی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ:۲۴)

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۔ (التوبہ:۱۲۰)

مدینے والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔

- ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ و اولاد، عزیز واقارب، دوست و احباب، مال و دولت، مسکن وطن اور خود اپنی جان کی محبت سے زیادہ ضروری و لازم ہے اور اگر ماں باپ یا اولاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت نہ رکھتے ہوں تو

ان سے دوستی و محبت رکھنا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں اس مضمون کی متعدد آیتیں ہیں۔

کشتیٔ نوح

جب یہ معلوم ہوا کہ ایمان اور نجات کا دارومدار حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پر ہے تو جس مومن کے دل میں ہر اس چیز کی محبت ہوگی جس کا تعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوگا۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اس سے محبت اور تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اس کو محبوب ہو جاتی ہیں لہٰذا حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے آپ کی اولاد، آپ کے اصحاب، آپ کے ارشادات و افعال اور آپ کے وطن مبارک اور ہر اس چیز کو جس کا روحانی یا جسمانی آپ سے تعلق ہے، جان و دل سے محبوب رکھتے ہیں کیونکہ ان کی محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے تو گویا ان کی محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہوئی اور جو بد بخت ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض و عداوت رکھے، یا ان کی توہین و بے ادبی کرے وہ ایمان سے محروم اور دشمن خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں نہ جائیں بلکہ ان کے پاس تک بھی نہ بیٹھیں۔ آدمی اپنے اور اپنے باپ کے دشمن کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا اور خوشی سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا تو دشمنانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دشمنانِ اہل بیت و اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ خوب یاد رکھو! اہل بیت کرام و صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت عین رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی عداوت عین رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت ہے اس لئے مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے دل میں دونوں کی محبت رکھے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل بیت کرام کے حق میں فرمایا:۔

کہ میرے اہل بیت کی مثال، نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو باہر رہا وہ غرق ہوا۔

اے غرقۂ نہ طوفان غم مترس
کشتی نوح عصمتِ آل محمد ﷺ است

اور صحابۂ کرام کی شان میں فرمایا:-

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تو تم ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے راہِ ہدایت پاؤ گے۔

دیکھئے ایک حدیث میں اہل بیت کرام کو کشتی کی مثل اور دوسری طرف میں صحابۂ کرام کو ستاروں کی مثل فرمایا پس دریائے ایمان وعرفان بغیر نجوم کی رہنمائی کے طے نہیں ہوسکتا کیونکہ شب برہ میں ستاروں کی ہدایت کے بغیر کشتی میں سوار ہونے والے منزلِ مقصود کونہیں پہنچ سکتے۔ پار وہی لگے ہیں جنھوں نے کشتی میں سوار ہونے کا شرف حاصل کیا اور ستاروں کو اپنا رہنما بنایا۔ یعنی دونوں کو حصول نجات کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا، نہ ان میں سے کوئی پار لگا جنھوں نے صرف ستاروں کو رہنما بنایا اور کشتی میں سوار نہ ہوئے اور نہ ان میں سے کوئی پار لگا جو صرف کشتی میں سوار ہوئے اور ستاروں کی رہنمائی حاصل نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی کامل نہ خارجیوں میں ہوا اور نہ رافضیوں میں، یہ شرف وکمال صرف اہل سنت و جماعت کا حصہ ہے۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور ﷺ
نجم ہیں، اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ ﷺ کی

کیونکہ اہل سنت اہل بیت نبوت کی کشتی محبت میں سوار ہوکر اور ستار ہائے محبت اصحاب نبوت سے روشنی حاصل کرتے ہوئے منزلِ مقصود کو پار ہے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ اہل بیت نبوت کی محبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی محبت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت مخلوق پر فرض ہے تو اہل بیت نبوت کی محبت بھی فرض ہوئی۔ باوجود اس کے اللہ تعالیٰ اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر ترغیب وتحریض فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اہل بیت نبوت کی محبت سرمایہ اور ایمان

اور رضائے خدا اور حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب!

فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سے اس (ہدایت و تبلیغ) کے بدلے کچھ اجرت وغیرہ نہیں مانگتا سوائے قرابت کی محبت کے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:۔

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ آپ کے قریبی لوگ کون سے ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ فرمایا: علی و فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے!

(زرقانی علی المواہب ج ۷، ص ۳، درمنثور، صواعق محرقہ ص ۱۶۸)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو مجھے پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ بھی جان لے کہ میں حسن ہوں فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآئِیْٓ اِبْرَاهِیْمَ (یوسف:۳۸)

ترجمہ: اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم۔

پھر فرمایا میں بشیر و نذیر کا فرزند ہوں اور میں اہل بیت نبوت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ عزوجل نے تم پر فرض فرمائی ہے اور اس بارے میں اس نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ آیت

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔

نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابودیلم فرماتے ہیں کہ جب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اسیری کی حالت میں دمشق لا کر ایک جگہ کھڑا کیا گیا تو ایک شامی ظالم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:۔

خدا کا شکر ہے جس نے تمہارا خاتمہ کیا اور تمہاری جڑوں کو کاٹا اور فتنہ گردوں کو ہٹایا (معاذ اللہ) آپ نے اس سے فرمایا کیا تو نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی:-

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: (اے حبیب!) تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

(صواعق محرقہ ص ۶۸، درمنثور ج ۶ ص ۷)

اس نے کہا کیا وہ تم ہو! فرمایا ہاں بلاشبہ۔

شیخ جلیل حضرت شمس الدین العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آلِ طٰہٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی الفت و محبت کو فرض سمجھتا ہوں جو مجھے ان کے قرب کی دولت سے نوازے گی بخلاف ان کے دشمنوں کے جو ان سے دور رہیں گے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبلیغ و رسالت و ہدایت پر معاوضہ طلب نہیں کیا، سوائے اہل قرابت کی محبت کے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! خدا تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ تمہارا ربّ ہے اور تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اور مجھے محبوب رکھو اللہ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت کو محبوب رکھو میری محبت کی وجہ سے۔ (ترمذی و مشکوٰۃ ص ۵۷۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:-

جس نے مجھ کو محبوب رکھا اور ان دونوں (حسنین) اور ان کے باپ (علی) اور ان کی ماں (فاطمہ) کو محبوب رکھا، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے حسن و حسین کو محبوب رکھا اس نے درحقیقت مجھے محبوب رکھا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا۔

(ابن ماجہ ص ۱۴، المستدرک ج ۳ ص ۱۶۶)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے حسن و حسین دونوں میرے بیٹے ہیں۔

جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے اللہ کو محبوب رکھا' اللہ نے اس کو جنت میں داخل کیا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا اور جس نے اللہ سے بغض رکھا اللہ نے اسے جہنم میں داخل کیا۔ (المستدرک حاکم ص ۱۶۶، ج ۳)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حسن و حسین دونوں کو لئے ہوئے فرمارہے تھے

یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس تو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھے۔

(ترمذی باب المناقب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں دیکھا کہ وہ اپنی انگلیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں ڈالتے ہیں

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالتے اور فرماتے

"اے اللہ میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ۔" (المستدرک حاکم ص ۱۶۹ ج ۳)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا:

اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں پس تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ۔

(ترمذی شریف)

سامانِ بخشش

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

معرفت آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کے مقام) کی دوزخ سے نجات کا باعث ہے اور محبت رکھنا آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پل صراط پر سے گزر جانے کی سند ہے اور ولایت آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امان ہے عذاب سے۔

(شفاء شریف ص ۴۷، ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:-

علی بن ابی طالب کی محبت گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ (نزہۃ المجالس ص ۶۱، ج ۲، الریاض النضرہ ص ۲۷۵، ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ اپنی اونٹنی قصوا پر سوار تھے اور فرما رہے تھے:-

اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت ہے، میرے اہل بیت (ترمذی و مشکوۃ ص ۵۶۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس کسی نے بھی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھا، اللہ نے اس کو جہنم میں داخل کیا،

(مستدرک حاکم ص ۱۵۰، ج ۳) (زُرقانی علی المواہب ص ۲۰، ج ۷)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اہل بیت نبوت کی عقیدت و محبت، سرمایۂ ایمان اور ان سے بغض و عداوت، بے ایمانی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھ کو اپنے اقرباء سے حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے اقربا محبوب تر ہیں۔ (بخاری شریف)

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو ابھی بچے ہی تھے تشریف لائے اور فرمایا، اترو میرے نانا کے منبر سے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تم نے سچ کہا، خدا کی قسم بلاشبہ یہ تمہارے جدامجد کا منبر ہے۔ پھر آپ نے ان کو پیار سے اٹھا کر گود میں بٹھا لیا اور رو پڑے، حضرت علی نے کہا خدا کی قسم اس نے میرے کہنے سے یہ نہیں کیا، حضرت ابوبکر نے فرمایا آپ سچے ہیں مجھے آپ پر کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۵)

اور اسی کی مثل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی منقول ہے۔ (اصابہ فی معرفۃ الصحابہ، الریاض النضرہ ص ۲۹، ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب شہر مدائن فتح ہوا، تو حضرت عمر نے مسجد نبوی میں فرش چرمی بچھا کر اس پر مالِ غنیمت جمع کیا۔ سب سے پہلے حضرت امام حسن تشریف لائے اور فرمایا اے امیر المؤمنین ہمارا حق جو اللہ نے مقرر کیا ہے ہمیں عطا کرو۔

آپ نے فرمایا:

بِالْبَرَكَةِ وَالْكَرَامَةِ اور ایک ہزار درہم نذر کئے۔ ان کے جانے کے فوراً بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کو بھی ہزار درہم دیئے۔ پھر ان کے جانے کے فوراً بعد آپ کے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ تشریف لائے تو آپ نے ان کو پانچ سو درہم دیئے۔

حضرت عبداللہ نے کہا یا امیر المؤمنین میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جوان تھا اور آپ کے حضور جہاد کرتا تھا اور حسنین اس وقت بچے تھے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے ان کو ہزار ہزار اور مجھے پانچ سو درہم دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹا! پہلے وہ مقام اور فضیلت تو حاصل کرو جو حسنین کا ہے۔

پھر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا، ان کے باپ علی مرتضٰی، ماں فاطمۃ الزہرہ، نانا رسولِ خدا، نانی خدیجۃ الکبریٰ، چچا جعفر طیار، پھوپھی اُم ہانی، ماموں ابراہیم بن رسول اللہ، خالہ رقیہ اُم کلثوم زینب، دخترانِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو پہنچی۔ انہوں نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت عمر اہل جنت کے چراغ ہیں۔ ان کے اس فرمانے کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی، آپ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ حضرت علی کے دروازے پر تشریف لے گئے۔ حضرت علی باہر تشریف لائے۔

حضرت عمر نے کہا: اے علی! تم نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو "چراغ اہل جنت" فرمایا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: ہاں میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت عمر نے کہا اے علی یہ حدیث آپ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر مجھے دیجئے۔ حضرت علی نے اپنے دستِ مبارک سے بسم اللہ شریف کے بعد لکھا کہ:-

یہ وہ بات ہے جس کے ضامن ہوئے علی بن ابی طالب واسطے عمر بن خطاب کے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ان سے جبریل نے ان سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہ عمر بن خطاب اہل جنت کے چراغ ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لکھا ہوا فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ جب میری وفات ہو تو بعد غسل و تکفین یہ کاغذ میرے کفن میں رکھ دینا، جب آپ شہید ہوئے تو وہ کاغذ حسبِ وصیت آپ کے کفن میں رکھ دیا گیا۔ (فضل الخطاب الریاض النظرہ ص ۲۸۲ ج ۱، ازالۃ الخفاء)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حضرت علی مرتضٰی کی مذمت کر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

افسوس تجھ پر کیا تو (حضرت) علی کو نہیں پہچانتا کہ وہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا: خدا کی قسم تو نے حضرت علی کی مذمت کر کے ان کو ایذا پہنچائی ہے جو اس قبر میں آرام فرما ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۷۵ زرقانی ص ۱۴۱، ج ۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قحط سالی کے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا فرماتے اور یوں کہتے:۔

اے اللہ تیری بارگاہ میں ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں تو فوراً بارش ہو جاتی۔ (بخاری، مشکوۃ ۱۳۲)

ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے دروازہ پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر دروازہ پر کھڑے ہوئے حاضر ہونے کی اجازت مانگ رہے ہیں اور اتفاق سے ان کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ خیال کر کے کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے؟ واپس آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس خیال سے واپس چلے گئے ہیں تو آپ فوراً ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے تمہارے تشریف لانے کی اطلاع نہ تھی۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ میں اس خیال سے واپس آ گیا کہ جب آپ نے اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے۔

فرمایا کہ:

تم اس سے زیادہ اجازت کے مستحق ہو اور یہ بال سر پر اللہ تعالیٰ کے بعد کس نے اگائے سوا تمہارے یعنی تمہاری بدولت راہ راست پائی اور تمہاری برکت سے اس مرتبے کو پہنچے اور ایک روایت میں فرمایا کہ

آپ جب تشریف لایا کریں تو بغیر اجازت آ جایا کریں۔ (صواعق المحرقہ ۱۷۷)

ان روایات سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا اہل بیت کی توقیر کرنا اور ان کا محب ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دونوں پاؤں سے

اپنے کپڑے کے کنارے پر خاک جھاڑی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوہریرہ کیا کرتے ہو؟ ابوہریرہ نے عرض کیا حضور مجھے معاف رکھئے! واللہ جتنے آپ کے مراتب میں جانتا ہوں اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو آپ کو کندھوں پر اٹھاتے پھریں۔ (اظہار السعادات)

مدینہ منورہ میں اُمِّ خالد حسن و جمال میں ایک مشہور نوجوان عورت جس کا نکاح پہلے عبداللہ بن عامر سے ہوا تھا مگر اس نے طلاق دے دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی منگنی کا پیغام دے کر بھیجا حضرت ابوہریرہ شام سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے مدینہ منورہ آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ نے ساری کیفیت بیان فرمائی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا امّ خالد کو ہماری طرف سے بھی پیغام نکاح دینا۔ عرض کیا بہت اچھا۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ کی حضرت حسین، عباس، علی، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن مطیع بن اسود رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی اپنی اپنی طرف سے پیغام دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس عورت سے جا کر ملے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کر کے ان تمام حضرات کا بھی پیغام دیا۔ اُم خالد نے کہا کہ اب میرا ارادہ نکاح کرنے کا نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ بیت اللہ میں مجاور بن کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں زندگی بسر کروں۔ آگے جو تمہارا مشورہ ہو؟ آپ نے فرمایا جوانی کی عمر میں بے شوہر کے رہنا مصلحت کے خلاف ہے۔ امّ خالد نے کہا:-

پھر تم ہی مشورہ دو کہ ان حضرات میں سے کس کے ساتھ نکاح کروں؟

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: اس معاملے میں تم خود ہی بہتر سمجھ سکتی ہو۔ اس نے کہا میں بغیر تمہارے مشورہ کے کسی کے ساتھ نکاح نہ کروں گی۔ فرمایا اگر تجھ کو میرے مشورہ پر اصرار ہے تو میں سبطِ رسول اور قرۃ العین بتول کے برابر کسی کو نہیں جانتا۔

اے ناقص العقل! مالِ دنیا نظر میں نہ لا اور مصاہرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غنیمت جان! اور سرداران جنت میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر کے دونوں جہان میں سرفرازی حاصل کر!

امّ خالد نے مان لیا اور کہا بہتر ہے۔ حضرت حسین کو خبر کر دو کہ میں ان کے ساتھ نکاح کروں گی۔ حضرت ابو ہریرہ نے اطلاع کی اور اسی روز نکاح ہو گیا۔ ان واقعات کی حضرت امیر معاویہ کو اطلاع ہو گئی۔ حضرت ابو ہریرہ جب واپس حضرت امیر معاویہ کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا ہم نے تمہیں منگنی کا پیغام دے کر بھیجا تھا مگر تم نے وہاں پہنچ کر کیا کیا؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، اُم خالد نے مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ سو میں نے اس کے حق میں جو نیک اور بہتر بات تھی وہ بتا دی۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے ایسے محنت کرنے والے بھی ہیں جن کی محنت کا پھل گھر بیٹھنے والوں کو بے محنت ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رکاب پکڑے ہوئے تھے، لوگوں نے ان سے کہا، آپ عمر میں ان سے بڑے ہیں اور ان کی رکاب پکڑے ہوئے ہیں؟ فرمایا حسین رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں تو کیا ان کی رکاب پکڑنا میرے لئے سعادت نہیں ہے؟

حضرت عبداللہ بن حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ضرورت کی وجہ سے گیا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا:-

آپ کو جب کوئی حاجت ہو تو کسی کو بھیج دیا کریں یا لکھ دیا کریں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ آپ کسی ضرورت کے واسطے میرے دروازہ پر آیا کریں۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۷۱، شفا شریف ص ۳۹)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب ہشام بن عبدالملک حج کو گیا تو طواف کرتے ہوئے حجر اسود کو چومنے کی بہت کوشش کی مگر کثرتِ ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کو چومنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک منبر اس کے لئے رکھا گیا اور وہ اس کے اوپر بیٹھ کر لوگوں کے

طواف کرنے اور حجر اسود کو چومنے کا نظارہ کرنے لگا۔ اس وقت اس کے ساتھ اہل شام کی ایک جماعت تھی۔ اسی اثناء میں اچانک حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور طواف کرنے لگ گئے۔ جب حجر اسود کی طرف چلے تو لوگ فوراً خود بخود ہٹ گئے اور حضرت امام زین العابدین کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ امام عالی مقام نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ شامیوں نے ہشام سے کہا: یہ کون شخص ہے؟ ہشام نے کہا میں تو اسے نہیں پہچانتا اور یہ اس نے ڈر سے کہا تھا کہ کہیں اہل شام آپ کے معتقد نہ ہو جائیں۔ اس وقت وہاں ابوفراس فرزدق شاعر بھی موجود تھا، کہنے لگا! خدا کی قسم میں ان کو جانتا ہوں۔ شامیوں نے کہا اے ابا فراس! یہ کون ہیں؟ تو اس نے کہا:۔

یہ وہ ہے جس کو سرزمین مکہ و طائف اور بیت اللہ کے حل و حرم اس کے علم و مرتبت کی وجہ سے خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔

یہ اس کا فرزند ہے جو اللہ کے تمام بندوں سے بہتر ہے یہ خدا ترس، پاک وصاف اور نہایت بردبار ہے۔

یہ فرزند ہے فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا اگر تو نہیں جانتا تو جان لے اور اسی کے جدامجد خاتم النبیین ہیں۔

اللہ نے ازل سے ہی ان کو شرفِ وکمال بخشا اور بزرگ بنایا ہے اور اس بات میں ان کے لئے لوحِ محفوظ میں قلم چل چکا ہے۔

جب قریش ان کو دیکھتے ہیں تو کہتا ہے ان کا کہنے والا کہ انہی کے اخلاقِ حسنہ اور جودوکرم پر نہایت ہے۔

یہ ان میں سے ایک ہیں جن کا ساری مخلوق پر احسانِ عظیم ہے اور انہی کے سبب رنج وغم، افلاس اور ظلم دور ہوا ہے۔

کوئی بڑے سے بڑا سخی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ ان کی سخاوت کی انتہا کو پہنچ سکے اور نہ کوئی قوم، اگرچہ وہ کتنی ہی بخشش کرنے والی ہو۔

ان کے دونوں ہاتھ سخاوت کی بارش، محتاج کے مددگار ہیں جن کا فیض عام ہے۔

ہمیشہ برستے رہتے ہیں اور نہ ہونا، کبھی ان کے پیش ہی نہیں ہے۔

انہوں نے کبھی لا (نہیں) تو کہا ہی نہیں۔ بجز تشہد کے کہ نفی شریک باری تعالیٰ ہے اور اگر تشہد میں لا نہ ہوتا تو ان کا وہ لا بھی نعم (ہاں) ہی ہوتا۔

یہ وہ ہیں جنہوں نے عروج کیا ہے عزت کی ایسی بلندیوں پر کہ وہاں تک پہنچنے سے تمام عرب وعجم کے لوگ قاصر ہیں۔

اس کی پیشانی کے نور سے ہدایت کا نور ٹپکتا ہے جس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے جس طرح آفتاب کے طلوع ہونے سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

اس کی ذات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے مشتق ہے۔ اس لئے اس کی اصل، اس کی عادتیں اور خصلتیں نہایت پاکیزہ اور عمدہ ہیں۔

یہ ایسا نرم خو ہے کہ اس کے غضب ناک ہونے کا خوف نہیں، اس کو دو چیزوں حسن خلق اور مکارم اخلاق نے زینت دی ہے۔

یہ تو حیا سے نگاہ نیچی رکھتا ہے اور لوگوں کی نگاہیں اس کی ہیبت سے جھک جاتی ہیں اور کوئی اس سے کلام نہیں کر سکتا (بوجہ ہیبت کے) مگر جب کہ یہ تبسم فرمائے۔

یہ اس پاکیزہ گروہ کا ایک فرد ہے جن کی محبت دین اور جن کا بغض کفر اور جن کا قرب نجات اور پناہ میں آنا ہے۔

اگر متقی لوگوں کا شمار کیا جائے تو ان سب کے امام پیشوا یہی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ تمام روئے زمین پر سب سے بہتر کون ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہی لوگ ہیں۔

اللہ کے ذکر کے بعد ان مقدس لوگوں کا ذکر مقدم ہے۔ ہر کلام کی ابتداء اور انتہا میں۔

تو تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے؟ اس کو ضرر پہنچانے والا نہیں، کیونکہ جس کا تو نے انکار کیا اس کو عرب بھی جانتے ہیں اور عجم بھی۔

جو اللہ کو جانتا ہے، وہ ان کی بزرگی بھی جانتا ہے۔ دین حق انہی کے گھر سے تمام جہان کو نصیب ہوا۔

مخلوقات میں سے کون لوگ ہیں جن کی گردن میں اس کے اور اس کے بزرگ کے احسانات وانعامات کے ہار نہ ہوں۔

جب ہشام نے یہ سب کچھ سنا تو اس نے غضب ناک ہوکر فرزوق کے قید کرنے کا حکم دیا چنانچہ عسفان میں (یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنواں ہے) فرزوق کو قید کر دیا گیا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بشفقت ومحبت بارہ ہزار درہم فرزوق کو بھیجے، تو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں نے آپ کی تعریف اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راضی کرنے اور اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے کی ہے، نہ کہ بامید عطا وانعام، امام عالی مقام نے فرمایا، فرزوق کو کہو کہ اگر تم ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوست رکھتے ہو تو اس کو واپس نہ کرو بلکہ رکھ لو کیونکہ ہم اہل بیت نبوت، جس کسی کو کوئی چیز بخش دیتے ہیں تو اس کو ہرگز واپس نہیں لیتے چنانچہ فرزوق نے وہ درہم قبول کر لئے۔

شیخ ابوسعید ماذری نے ہمارے امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ آپ تعظیم وتوقیر اور احترامِ سادات میں نہایت مبالغہ فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک دن مجلس واحد میں چند بار تعظیماً کھڑے ہوئے اور سبب اس کا ظاہر نہ ہوا۔ اہل مجلس نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ان لڑکوں میں ایک لڑکا سیّد ہے جب اس کو دیکھتا ہوں، تعظیم کو اٹھتا ہوں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو صحبت وتلمذ اور علم اور طریقہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ کو حضرات ائمہ اہل بیت، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور زید بن علی بن حسین سے حاصل ہے وہ بیان سے مستغنی ہے اور امام ابوحنیفہ کے والد حضرت ثابت اپنے باپ کے ساتھ بچپن میں امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کو گئے تھے تو حضرت نے ان کے حق میں دعائے برکتِ اولاد فرمائی تھی بموجب اس دعا کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

(تحفۂ اثناء عشریہ)

امام الائمہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تم سے محبت رکھنا اللہ نے قرآن میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔ تمہاری عظمت و شان کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں۔ نیز فرماتے ہیں۔

جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بے شک ہم بیانِ تفصیل کے سبب سے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہو گئے۔

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

جن جاہلوں نے مجھ کو کہا کہ تو رافضی ہو گیا ہے تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی و محبت رکھتا ہوں۔

اگر آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ بے شک میں رافضی ہوں۔ (سیرت الشافعی ص ۲۲)

فائدہ: حب اہل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفض نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں۔ حب آلِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو عین ایمان ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا بلکہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تبرا کرنا رفض و گمراہی اور بے دینی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ ۔

حضرت ابوالحسن بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں محبوب رکھتا ہوں نبی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علی اور ان کی اولاد اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کو۔

یہی اہل بیت ہیں جن سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانِ ہدایت پر روشن ستارے بنا کر چمکایا ہے۔

ان کی محبت فرض ہے ہر مسلمان پر اور ان کی محبت بہترین اور بلند ترین ذخیرہ ہے آخرت کے لئے۔

اور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا نہیں ہوں کیونکہ میں ان سے بغض رکھنا کفر سمجھتا ہوں۔

انہوں نے اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کیا جیسا کہ اس کا حق تھا اور انہوں نے دین ہدایت کی ایسی مدد کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔

ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو جب تک ان کا ذکر ملاء اعلیٰ میں ہوتا رہے اور یہ ذکر کس قدر مکرم و معظم ہے۔ (نور الابصار ۱۲۷)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے ساتھ تم کسی مخلوق کو برابر نہ کرو کیونکہ اہلِ بیت ہی اہل سیادت ہیں۔

ان کی دشمنی انسان کے لئے حقیقی گھاٹا ہے اور ان کی محبت و الفت' عبادت ہے۔

شاہ غلام نبی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے محبت اہل بیت موجب ایمان اور سرمایہ بقائے تصدیق ایمان ہے۔ میرا کوئی عمل سوائے ان حضرات کی محبت کے وسیلہ نجات نہیں۔ (ملفوظات)

حضرت شیخ امان پانی پتی شارح لوائح' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرمایۂ درویش میرے نزدیک دو چیزیں ہیں، ایک تہذیب اخلاق دوسری محبت اہل بیت نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (اخبار الاخیار ۲۴۱)

چنانچہ وہ اسی غلبۂ محبت اہل بیت کی وجہ سے ساداتِ کرام کی بے حد تعظیم کرتے یہاں تک کہ بوقت درس و تدریس بھی اگر کسی سیّد لڑکے کو دیکھ لیتے اگرچہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوتا تو احتراماً کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ نظروں کے سامنے رہتا کھڑے رہتے ہرگز نہ بیٹھتے۔ (اخبار الاخیار ۲۴۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے ارواح اہل بیت نبوت کو خطیرۃ القدس میں باتم وجہ و اجمل وضع مشاہدہ کیا ہے اور سمجھا کہ ان کو برا جاننے والا بڑے خطرے میں ہے۔" (تفہیمات)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام سلسلے

صوفیائے اہل سنت کے طریقت میں منتہی ہوئے ہیں ائمۂ اہل بیت پر لہٰذا یہ حضرات اہل بیت جمیع فرق اہل سنت کے پیرومرشد ہیں۔

اور جاننا چاہئے کہ اہل سنت کے نزدیک پیرومرشد کی عظمت و وقعت کس مرتبے پر ہے اور وہ پیروں سے کیسی عقیدت و محبت رکھتے ہیں کہ ان کے بغض و اہانت کو ارتدادِ طریقت جانتے ہیں تو انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ اس علاقہ سے اہل سنت کو اہل بیت نبوت سے کس قدر عقیدت و محبت ہوگی لہٰذا بغض اہل بیت کی نسبت اہل سنت کی طرف کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے اور یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کوئی نور کو ظلمت اور آفتاب کو تاریک کہے۔ (تحفۂ اثناعشریہ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جاتا ہے کہ اہل سنت کو اہل بیت سے محبت نہیں جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزوایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر موقوف ہے۔ اہل بیت کی محبت تو اہل سنت کا سرمایہ ہے مگر مخالفین اس حقیقت سے غافل اور اہل بیت کی محبت متوسط سے جاہل ہیں، انہوں نے جانب افراط کو اختیار کیا اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم لگا دیا اور سب کو خارج سمجھ لیا، یہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط ہے جو مرکز حق اور موطن صدق ہے جو اہل سنت کو نصیب ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کا بدلہ دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مشابہت ہے۔ ان سے یہود نے بغض کیا، یہاں تک کہ ان کی والدہ ماجدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور نصاریٰ ان کی محبت میں ایسے حد سے گزرے کہ ان کی خدائی کے معتقد ہو گئے۔" ہوشیار میرے حق میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے' ایک زیادہ محبت کرنے والا جو مجھے میرے مرتبہ سے بڑھائے اور حد سے تجاوز کرے گا، دوسرا بغض رکھنے والا جو عداوت میں مجھ پر بہتان باندھے گا۔

(احمد، مشکوٰۃ ص ۵۶۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:-

بہت سی قومیں میری محبت میں غلو کرنے کی وجہ سے اور بہت سی قومیں میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گی۔ (الریاض النضرہ ص ۲۸۹، ج ۲)

فائدہ: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ رافضی و خارجی دونوں گمراہی و ہلاکت کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں کیونکہ رافضی حد سے بڑھا دیتے ہیں اور خارجی بغض و عناد رکھتے ہیں۔ صراط مستقیم پر اہل سنت ہیں جو نہ بغض رکھتے ہیں اور نہ حد سے بڑھاتے ہیں بلکہ آپ کے مرتبہ و مقام کے مطابق آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ خود شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "نہج البلاغۃ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی بھی موجود ہے جو ہدیۂ قارئین ہے۔

"میرے معاملہ میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے' ایک محبت کرنے والا حد سے بڑھانے والا وہ محبت اس کو غیر حق کی طرف لے جائے گی۔ دوسرا بغض رکھنے والا حد سے کم کرنے والا وہ بغض اس کو خلافِ حق کی طرف لے جائے گا اور سب سے بہتر حال میرے معاملے میں درمیانی جماعت کا ہے۔ پس اس درمیانی حالت کو اپنے لئے ضروری سمجھو اور سوادِ اعظم بڑی جماعت و اہل سنت کے ساتھ وابستہ رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت پر ہے اور خبردار اس جماعت سے الگ نہ ہونا کیونکہ جو انسان جماعت سے الگ ہوگا وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہوگا جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے"۔ (نہج البلاغۃ)

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کی محبت وہی باعث نجات ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو اور پھر آپ نے یہ تصریح بھی فرما دی کہ میرے متعلق وہی عقیدہ و نظریہ رکھو جو سوادِ اعظم یعنی مسلمانوں کی بڑی جماعت کا ہے کیونکہ اس جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس جماعت سے علیحدگی ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔ بلاشبہ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت ہیں اور وہی حق پر

ہیں۔

فضائل اہل بیت اطہار

اہل بیت نبوت کے فضائل وکمالات بے شمار ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی شان میں بہت سی آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند بالترتیب ہدیۂ قارئین ہیں۔

قرآنی آیات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:۳۳)

اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس آیۂ کریمہ میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ اوّل یہ کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں۔ دوم یہ کہ رجس (ناپاکی) سے کیا مراد ہے، سوم یہ کہ تطہیر کیا ہے۔

اس آیت کے سیاق وسباق پر نظر کی جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

خطاب صریح طور پر موجود ہے اور "بیوت" کی نسبت

(وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب:۳۳) ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ اور وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب:۳۴) ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

بھی آیت ہذا سے پہلے اور بعد) انہی کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن میں اہل بیت کا اطلاق بیویوں پر ہوا ہے۔ سورۃ ہود میں فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ہود:۷۳)

ترجمہ: کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والو۔

سورۃ طلاق میں مطلقہ عورت کے متعلق فرمایا:

لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ (الطلاق:۱)

ترجمہ: عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

سورۃ یوسف میں بھی بیت کی نسبت زلیخا کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا (یوسف:۲۳)

ترجمہ: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اہل بیت سے مراد صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہی لیتے ہیں اور بعض لوگ اہل بیت سے مراد صرف خاتون جنت فاطمہ زہرا، حضرت علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو لیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو اپنی چادر شریف میں لے کر فرمایا:-

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا

اور جب آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:-

اَلصَّلٰوۃُ اَھْلَ الْبَیْتِ

اور پھر آیت تطہیر پڑھتے وغیرہ۔

''رِجْس'' کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے آیاتِ درج ذیل میں غور فرمائیں:-

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (المائدہ:۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام۔

اس آیت میں شراب، جوئے، بتوں اور جوئے کے تیروں کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (الانعام:۱۴۵)

مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا ہوا خون یا بد جانور کا گوشت کیونکہ وہ نجاست ہے۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:۳۰)

اور تمہارے لئے بے زبان چوپائے حلال کئے گئے سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہو بتوں کی گندگی سے۔

ان دونوں آیتوں میں مراد بہتا ہوا خون، لحمِ خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو (رجس) فرمایا گیا ہے:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (التوبہ:۱۲۵)

ترجمہ: اور جن کے دلوں میں آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الانعام:۱۲۵)

ترجمہ: اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں پر۔

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ (التوبہ:۹۵)

ترجمہ: تو ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو نرے پلید ہیں۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (یونس:۱۰۰)

ترجمہ: اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔

ان آیات میں نفاق، منافقین، گندگی اور ناپاکی کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (الاعراف:۷۱)

ترجمہ: کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔

اس آیت میں عذابِ الٰہی کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، مردار، جاری خون، لحم خنزیر، بتوں کے نام پر ذبح کیا

ہوا جانور، منافقین اور منافقت، بے دینی و بے ایمانی، عذابِ الٰہی وغیرہ پر ''رجس'' کا اطلاق ہوا ہے۔

آیہ تطہیر کے شروع میں اِنَّمَا ہے جو حصر کے لئے آتا ہے۔ اپنے اور ادب سے جو قدیم ہے چاہا ہے کہ اہل بیت کو ان تمام برائیوں سے پاک رکھنے اور ختم آیت پر تَطْهِيرًا کی تنوین تعظیم و تکریم کے لئے ہے یعنی معمولی طہارت نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ عمدہ اور اعلیٰ طہارت ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کرام کو ان تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی' اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز و فائق ہیں۔ اس طہارت کامل کے حصول کے بعد وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہاں محفوظ ضرور ہو گئے گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو یہ باطنی خلافت عطا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ معدن ولایت اور مرجع سلاسل اولیاء امت ہوئے۔

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت

چمکتے چہرے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بغرض مناظرہ حاضر ہوا' انہوں نے آ کر عرض کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے کلمۃ ہیں جو کنواری بتول مریم کی طرف القا کئے گئے تھے انہوں نے کہا وہ تو اللہ کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے کبھی ایسا بندہ بھی دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو؟ فرمایا اگر یہی دلیل ان کے ابن اللہ ہونے کی ہے تو پھر آدم علیہ السلام کے متعلق تمہیں بدرجۂ اولیٰ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کیونکہ وہ ماں اور باپ دونوں کے

بغیر پیدا ہوئے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی پھر بھی والدہ تھیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا محض ہٹ دھرمی کرتے ہوئے جھگڑنے لگے تو آپ نے ان کو دعوتِ مباہلہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

میرے حبیب! ان سے فرما دیجئے کہ آؤ ہم اور تم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور اپنی اپنی جانوں کو پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (آل عمران)

انہوں نے تین دن کی مہلت مانگی۔ تین دن بعد وہ نہایت شاندار پوشاکیں پہن کر اور اپنے بڑے بڑے پادریوں کو ساتھ لے کر آئے۔ ادھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس شان سے تشریف لائے کہ گود میں بائیں طرف شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دائیں طرف آپ کا دست مبارک پکڑے ہوئے امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ خاتونِ جنت سیّدہ فاطمہ زہرا اور فاتح خیبر شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں پیچھے پیچھے ہیں اور حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزت کے دربار میں عرض کیا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری نے جب یہ حسین و بے نظیر منظر دیکھا تو پکارا اے عیسائیو! بے شک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ خدا کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ پس انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا: اے ابا القاسم! ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرتے۔ آپ اپنے دین پر رہیں اور ہمیں ہمارے دین پر رہنے دیں۔ پھر انہوں نے جزیہ وغیرہ دینے پر صلح کر لی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم عذابِ الٰہی اس کے قریب آ گیا تھا اگر مباہلہ ہو جاتا تو یہ سب بندر اور سؤر بن جاتے اور ان کا جنگل آگ سے بھڑک

اٹھتا اور بجز ان کے چرندو پرند تک نیست و نابود ہو جاتے۔

(تفسیر کبیر ج ۲، ص ۴۸۸ و خازن مدارک ج ۱، ص ۲۴۲)

حضور علیہ السلام کی کتنی بیٹیاں تھیں؟

یہ آیت اہل بیت نبوت کی عظمت و شان کی بہت بڑی دلیل ہے لیکن اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا بالکل غلط، جہالت اور مبنی بر عداوت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ اگر ان کے علاوہ اور بھی ہوتیں تو وہ بھی مباہلہ میں شریک ہوتیں۔ نیز اگر صحابہ کرام بھی کسی عظمت و شان کے مالک ہوتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو بھی ساتھ لاتے۔ اس لئے کہ یہ کتاب حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور و معروف کتب مثلاً نہج البلاغۃ، اصول کافی، حیات القلوب، تحفۃ العوام وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَهْلِ الْعِلْمِ رہا یہ کہ پھر وہ مباہلہ میں شریک کیوں نہیں ہوئیں تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ واقعہ مباہلہ سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت رقیہ کا ۲ھ میں اور حضرت زینب کا ۸ھ میں اور حضرت ام کلثوم کا ۹ھ میں انتقال ہوا اور وہ مباہلہ ۸ھ کا واقعہ ہے۔ (رضی اللہ عنہن)

اور یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو ساتھ نہیں لائے تو اس سے متعلق عرض یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مباہلہ میں اپنے صحابہ کو ساتھ نہیں لائے تو اس میں ایک بہت بڑی حکمت ہے اگرچہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ مباہلہ میں تشریف لائے چنانچہ حضرت امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ اس آیت مباہلہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ تشریف لائے۔

(ابن عساکر، تفسیر در منثور ج ۲، ص ۴۰)

یہ تو خود اہل بیت نبوت کے گھر کی شہادت ہے اگر کوئی اس کو بھی نہ مانے تو سوال یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی دس سالہ زندگی میں کفار و مشرکین کے ساتھ جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر کفار کے مقابلے میں نکلتے رہے؟ ساری دنیا کے حقیقت پسند لوگوں کو اس کا اعتراف ہے کہ وہ آپ کے صحابہ کرام ہی تھے جنہوں نے بڑے بڑے معرکوں میں ان بے مثال قربانیوں اور جاں نثاریوں کا مظاہرہ کیا جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ آج بھی تاریخ اسلام کے صفحات ان کے عظیم الشان کارناموں سے جگمگا رہے ہیں۔ اگر ان نفوس قدسیہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مباہلہ میں ساتھ نہیں لے گئے تو اس سے ان کی توہین و تنقیص کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی ان کی عظمت و شان میں کوئی فرق آتا ہے بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف اپنے اہل بیت کو لے جانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس طرح کہ وہاں جھوٹوں کے لئے لعنت و ہلاکت کی بددعا ہونی تھی اور اگر آپ صرف اپنے صحابہ کو لے جاتے تو عیسائی یہ کہہ سکتے تھے کہ شاید ان کو عذابِ الٰہی اور اپنی ہلاکت کا خوف ہے اس لئے اپنے بچوں کو نہیں لائے اور ان کو بچا لیا حالانکہ ان کے ربّ کا حکم ہے۔

اس لئے آپ صرف اپنی اولاد کو ہی میدان مباہلہ میں لائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو اپنی نبوت و صداقت پر پورا پورا یقین ہے۔ اگر ادنیٰ سا شبہ بھی ہوتا تو اپنے اور اپنے بچوں کے لئے لعنت و ہلاکت کے لئے دعا کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ عیسائیوں کو اپنے عقیدے پر یقین نہیں تھا ورنہ وہ کبھی مباہلہ سے احتراز نہ کرتے۔

سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا مددگار تو اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

دراں حالیکہ وہ رکوع کرنے والے یا خشوع و خضوع کرنے والے ہیں۔

(تفسیر درِ منثور ج ۲، ص ۲۹۳)

اس آیت کے شان نزول اور کس کے حق میں یہ نازل ہوئی اس میں شیعہ وسنی کا

اختلاف ہے۔شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی ایک سائل کو عطا فرمادی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت مہاجرین و انصار کے حق میں نازل ہوئی اور حضرت علی بھی ان میں سے ہیں اور آیت میں جمع کے صیغے اس کے مؤید ہیں۔

نیز شیعہ اس آیت سے حضرت علی کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اِنَّمَا کلمہ حصرمَا

ہے اور وَلی بمعنے متصرف ہے اور یہ تصرف عام ہے یعنی سب مسلمانوں میں تصرف کرنا مراد ہے جو امامت کے مساوی ہے اور یہ ولایت اللہ اور اس کے رسول کی ولایت سے ملی ہوئی ہے۔ پس حضرت علی کی ولایت و امامت ثابت ہوئی اور بسبب فائدہ حصر کے غیر کی یعنی خلفاء ثلاثہ کی امامت کی نفی ثابت ہوئی۔ اہل سنت و جماعت نے اس کا نہایت نفیس اور مسکت جواب دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس دلیل کو

اِنَّمَا کلمہ

سے جو مفید حصر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر کی امامت کی بھی نفی ہوتی ہے تو اسی دلیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد والے ائمہ کی امامت کی بھی نفی ہو گی۔ اس سے اگر اہل سنت کے تین اماموں کی امامت جاتی ہے تو شیعوں کے گیارہ اماموں کی امامت جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

سوائے اس کے نہیں کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستِ مبارک رکھا اور فرمایا کہ میں منذر ہوں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے علی! تو ہادی ہے اور میرے بعد راہ پانے والا تجھ سے راہ پائے گا۔

(تفسیر درمنثور ج ۴، ص ۴۱، کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۷ تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۹۰)

یعنی ولایت کے سلسلے تجھ سے جاری ہوں گے اور امت کے اولیاء، علماء اور اغواث واقطاب تجھ سے فیض حاصل کریں گے اور اپنے اپنے مریدوں کو فیض پہنچائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع صحابہ کرام بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے تو صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے فرزند بیمار ہیں۔ تم اللہ کے لئے کوئی نذر مانو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیّدہ خاتونِ جنت اور آپ کی لونڈی فضہ سب نے تین روزوں کی نذر مانی۔ دونوں شہزادے اللہ کے کرم وفضل سے صحت یاب ہوئے تو تینوں نے روزے رکھے جس دن روزہ رکھا اس دن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ شمعون خیبری یہودی کے پاس گئے اور چند سیر جَو بطور قرض لائے۔ سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس میں سے کچھ جَو چکی میں پیسے اور گھر کے پانچ آدمیوں کے حساب سے شام کی روٹیاں پکائیں اور افطار کے وقت لاکر سامنے رکھیں۔ ابھی لقمہ لے کر منہ میں نہ ڈالا تھا کہ دروازے پر آکر ایک فقیر نے سوال کیا کہ سلامتی ہو تم پر اے اہل بیت رسول اللہ! میں ایک مسکین مسلمان ہوں تمہارے دروازے پر آیا ہوں۔ مجھے کھانا دو، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے خوانوں پر کھلائے گا! یہ سن کر ان مقدس حضرات نے وہ ساری روٹیاں اس مسکین سائل کے حوالے کر دیں اور خود پانی پی کر سو رہے۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا اسی طرح کچھ جو پیس کر شام کو کھانا تیار کیا۔ افطار کے وقت ایک یتیم آ گیا۔ وہ روٹیاں اس کو دے دیں اور تیسرے دن کا بھی روزہ رکھ لیا۔ تیسرے دن ایک قیدی آیا اور ساری روٹیاں اس کے حوالے کر دیں۔ چوتھے روز صبح کو اٹھے تو بھوک کی شدت اور ضعف سے چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت حضرت سیّدہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کی حالت دیکھی تو بہت بے قرار ہوئے۔ یہاں تک کہ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین فرمائی، اسی وقت

جبریل امین علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور کہا کہ اے اہل بیت رسول اللہ تمہیں مبارک ہو کہ تمہاری شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(یہ ہیں وہ لوگ) جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین و یتیم اور اسیر کو اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خاص اللہ کی رضا حاصل کرنے کو کھلاتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں چاہتے، بے شک ہمیں اپنے ربّ سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچالیا اور انہیں تازگی اور شادمانی عطا فرمائی اور ان سے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلے میں دیئے جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور وہاں دھوپ اور ٹھٹھر نہ دیکھیں گے اور بہشتی درختوں کے سائے ان پر چھائے ہوں گے اور میووں کے گچھے نیچے کر دیئے گئے ہوں گے اور ان پر چاندی کے برتنوں اور آب خوروں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے چاندی کے، ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے پُر رکھا ہوگا اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی ادرک ہوگی، وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے اردگرد خدمت میں پھریں گے ہمیشہ رہنے والے حسین لڑکے جب تو انہیں دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے اور جب تو دیکھے تو دیکھے ایک نعمت اور سلطنت بڑی، ان کے لان پر ہوں گے، کریب کے سبز کپڑے اور گاڑھے ریشم کے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائے گا ان کو ان کا ربّ پاک شراب اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری محنت خوب ٹھکانے لگی۔ (الدھر)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں غیب بتانے والے (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔" (الاحزاب)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کس طرح پڑھیں۔

اب آپ فرمائیں کہ ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو فرمایا تم یوں کہو اے اللہ درود بھیج حضرت محمد اور آپ کی آل پر بے شک تو حمید و مجید ہے (مشکوۃ ص ۸۶)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم درود میں اپنے ساتھ اپنے اہل بیت کو بھی اپنی طبیعت میں ملایا ہے چنانچہ فرمایا:-

مجھ پر کٹا ہوا درود نہ بھیجا کرو۔ حاضرین نے عرض کیا کٹا ہوا درود کیا ہے؟ فرمایا صرف یہ کہنا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

بلکہ یوں کہا کرو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

یعنی آل کا نام لئے بغیر پڑھنا کٹا ہوا اور آل کے نام کے ساتھ پڑھنا پورا درود ہے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۴)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر پس وہی لوگ کامل سچے اور اوروں پر گواہ ہیں۔ ان کے لئے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ خصوصاً آٹھ صحابہ کرام کی شان میں نازل ہوئی جن میں ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۸، ص ۲۵ و تفسیر خازن ج ۴، ص ۲۳۵)

تو کیا وہ شخص جو مومن ہے وہ اس جیسا ہوگا جو فاسق ہے؟

یہ برابر نہیں ہے۔ (قرآن کریم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت علی اور فاسق سے مراد ولید بن عتبہ ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تو ولید نے حضرت علی سے کہا کہ چپ رہو کیونکہ تم ابھی بچے ہو اور میں جہاں دیدہ، میں زبان درازی اور نیزہ بازی میں تم سے زیادہ تیز اور تم سے زیادہ بہادر ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا خاموش رہ کیونکہ تو فاسق ہے! مراد یہ تھی کہ جن باتوں پر تو ناز کرتا

ہے ان میں کوئی بات بھی قابل مدح نہیں، انسان کا شرف ایمان وتقویٰ میں ہے جسے یہ دولت میسر نہیں وہ بدنصیب ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی کہ وہ فاسق مردود ہے اور علی مومن ومقبول ہیں لہٰذا ان میں برابری کس طرح ہو سکتی ہے؟

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۴۷ والریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۷۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا تم دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے اپنی بارگاہ سے عہد عطا فرما اور مجھے اپنے نزدیک مستحق محبت بنا لے اور مومنوں کے دل میں بھی میری محبت ڈال دے۔

حضرت علی نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی:-

بے شک وہ لوگ کہ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے تو (پیدا) کردے گا رحمٰن ان کے لئے (لوگوں) کے دلوں میں محبت۔ (تفسیر در منثور ص ۸۷)

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ کوئی مومن ایسا باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں حضرت علی اور آپ کے اہل بیت کی محبت نہ ہوگی۔

(زرقانی علی المواہب ص ۷، ص ۱۴ الصواعق المحرقہ ص ۱۷۰ الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۷۴)

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شب ہجرت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو اپنے بستر مبارک پر سلا کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل ومیکائیل سے فرمایا کہ دیکھو علی میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کر رہا ہے۔ جاؤ! جا کر ساری رات اس کی حفاظت کرو! چنانچہ بحکم پروردگار دونوں فرشتے آئے

جبرائیل علیہ السلام سر کی طرف اور میکائیل پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے اور جبرائیل امین بلند آواز سے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے کہتے تھے اے ابن ابی طالب! آج تیرے جیسا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ تم پر فخر کرتا ہے فرشتوں کے سامنے اور یہ آیت نازل ہوئی:

"اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے

لئے۔ (تفسیر کبیر ج ۲، ص ۱۹۸ احیاء العلوم)

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ (الرحمٰن)

اس نے چلائے دو دریا جو مل کر چلتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دو دریاؤں سے مراد حضرت علی اور حضرت فاطمہ ہیں (رضی اللہ عنہما) اور نکلتا ہے ان میں سے موتی اور مونگا وہ حسن و حسین ہیں (رضی اللہ عنہما) (تفسیر درمنثور ج ۶، ص ۱۴۳)

سَلَامٌ عَلٰى اِلْيَاسِيْنَ (الصافات: ۱۳۰)

ترجمہ: سلام ہو الیاس پر۔

کہ سلام ہو الیاسین پر یعنی وہ آلِ یاسین ہم آلِ محمد ہی ہیں۔

(ابن ابی حاتم طبرانی، درمنثور ج ۵، ص ۲۸۶)

ف: بعض نے سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يٰسِيْنَ بھی پڑھا ہے لہٰذا مطلب صاف ہے کیونکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک یٰسین ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

کہ مفسرین کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آلِ یٰسین سے آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۴۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدہ: ۸۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کے حالات بیان فرمائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور بعض صحابہ کرام نے عہد کیا کہ دنیا چھوڑ کر راہب بن جائیں اور ٹاٹ پہنیں، ہمیشہ روزہ رکھیں، شب بیداری کریں، بستر پر نہ لیٹیں، گوشت نہ کھائیں، عورتوں کے قریب نہ جائیں، خوشبو لگانا چھوڑ دیں۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ

وارد ہوتی۔ (ابن کثیر، خازن، مدارک ج ا ص ۲۸۷، درمنثور ج ۲ ص ۳۰۸)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

وہ اللہ کی رسی ہم اہل بیت ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
(الصواعق المحرقہ ص ۱۴۹)

وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا (الشوریٰ: ۲۳)

ترجمہ: اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لئے اس میں اور خوبی بڑھائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اور جو کوئی نیک کام کرے یعنی آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرے۔
(احمد، الصواعق المحرقہ ص ۱۶۸)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ (المجادلہ: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ بعض مال دار لوگ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر غیر اہم باتوں میں سرگوشیاں کرتے ہوئے اتنا وقت لے لیتے کہ دوسروں کو خصوصاً فقراء و مساکین کو مستفید ہونے کا موقع کم ملے گا۔ اس پر یہ حکم نازل کیا گیا کہ راز و نیاز کی باتوں سے پہلے صدقہ و خیرات دیا کرو، اس سے ایک تو فائدہ ہوگا کہ فقراء و مساکین کی خدمت ہو جائے گی اور مال داروں کے نفس کا تزکیہ ہوگا اور اجر و ثواب ملے گا۔ دوسرا وہ سمجھ جائیں گے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی لئے یہ قید لگائی گئی ہے چنانچہ اس حکم پر صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمل کیا ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کئے۔ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ!

وفاء کیا ہے؟ فرمایا، توحید اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں! عرض کیا فساد کیا ہے؟ فرمایا، اللہ کے ساتھ کفر و شرک! عرض کیا حق کیا ہے؟ فرمایا، اسلام اور قرآن اور ولایت جب تجھے ملے! عرض کیا صلہ کیا ہے؟ فرمایا، ترکِ حیلہ عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟ فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت! عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگوں؟ فرمایا، صدق و یقین کے ساتھ! میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا، عافیت! عرض کیا اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟ فرمایا، حلال کھا اور سچ بول! عرض کیا سرور کیا ہے؟ فرمایا، جنت! عرض کیا راحت کیا ہے؟ فرمایا، اللہ کا دیدار! فرماتے ہیں کہ جب میں ان سوالات سے فارغ ہوا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

(مدارک وخازن ج ۴، ص ۲۴۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں یہ ایک آیت ایسی ہے کہ اس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ کوئی میرے بعد کرے گا۔

(مدارک وخازن ج ۴ ص ۲۴۲)

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء:۵۹)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اس کی جو تم میں صاحب امر ہو۔

حضرت عبدالغفار بن قاسم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اولی الامر کون ہے؟ تو فرمایا علی رضی اللہ عنہ انہی میں سے تھے۔ (خوارزمی)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳)

ترجمہ: (اے لوگو!) علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ حضرت علی ابن ابی طالب نے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ:۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو

جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ (تفسیر درمنثور ج ۶، ص ۳۶۱، صواعق المحرقہ صفحہ ۱۵۷)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

میں نے اپنے ربّ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمادیا۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۵۷)

احادیثِ مبارکہ

آیات قرآنی کے بعد احادیث مبارکہ بالترتیب ہدیۂ قارئین کی جاتی ہیں۔ پہلے وہ احادیث مبارکہ پیش کی جائیں گی، جن کا تعلق امیر المؤمنین مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل سے ہے، ان کی وہ احادیث جن کا تعلق سیّدہ نساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہرا سے ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

ہارون وموسیٰ کی تشبیہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟

(مطلب یہ تھا کہ میرے جیسے بہادروں کو میدانِ جہاد میں جا کر دشمنوں کے سامنے خداداد قوت کا مظاہرہ کرنا چاہئے) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے نزدیک ایسے ہو جاؤ جیسے کہ حضرت ہارون

حضرت موسیٰ کے نزدیک تھے سوائے نبوت کے، کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(بخاری و مسلم)

یہ تشبیہ کیوں دی؟

عورتوں اور بچوں کی حفاظت و نگرانی پر ایسے ہی شخص کو مقرر کیا جا سکتا ہے جو بہادر ہونے کے علاوہ قریبی عزیز اور عورتوں میں آجا سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بہادر اور داماد ہونے کے سبب سے اس کے زیادہ مستحق تھے لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ہی مقرر فرمایا چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کوہِ طور پر تشریف لے جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر قوم کے پاس چھوڑ گئے تھے۔

اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تشبیہ دے کر فرمایا کہ جو مقام حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کی بارگاہ میں تھا وہی مقام تمہارا ہماری بارگاہ میں ہے۔ رہا اس تشبیہ سے حضرت علی کے لئے خلافت بلافصل ثابت کرنا تو وہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہری حیات ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اگر وہ زندہ رہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد خلیفہ بنے ہوتے تو البتہ کسی حد تک یہ تشبیہ قابل استدلال ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا ہے بلکہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون آپ کے خلیفہ ہوئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تشبیہ صرف اس بات میں ہے کہ جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، مددگار اور ان کی زندگی میں ان کے کوہِ طور پر جاتے وقت ان کی غیر حاضری میں ان کے خلیفہ تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضور علیہ السلام کے بھائی آپ کے مددگار اور آپ کی ظاہری زندگی میں غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ کی غیر حاضری میں مدینہ منورہ میں خلیفہ و نائب تھے اور چونکہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ کوئی اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نبی ہونے کا استدلال نہ کرے۔

علی رسول سے ہے اور رسول علی سے

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-
کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن کا دوست (مددگار) ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۵۶۴)

علی کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی ہے اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(المستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۲۱ الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۲۰)

علی سے بغض رسول اللہ سے بغض

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جس نے علی کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا، جس نے مجھ کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔

(زرقانی ج ۷، ص ۱۴ مستدرک ج ۳، ص ۱۳۰، الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۱۸)

جس کا میں دوست اس کا علی دوست

براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غدیر خم میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے حضرت علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دو مرتبہ فرمایا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز و

پیارا اور بہتر ہوں؟ سب نے کہا ہاں!

تو فرمایا اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے۔ اے اللہ اس سے محبت رکھ، جو علی سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت علی حضرت عمر سے ملے تو حضرت عمر نے فرمایا اے ابن ابی طالب تم صبح و شام خوش رہو اور تمہیں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کا دوست اور محبوب ہونا مبارک ہو۔ (احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۵)

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہوئے عجیب مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جبریل امینؑ نے بار بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ حضرت علی کی خلافت و ولایت کا اعلان کیجئے مگر آپ ڈرتے تھے اور ان وجوہات کی بناء پر اعلان نہیں کرتے تھے کہ ایک تو لوگ یہ کہیں گے کہ اپنے داماد کے لئے ایسا کرتے ہیں اور دوسرا آپ کو اندیشہ تھا کہ لوگ منافق ہیں وہ مانیں گے نہیں۔ (معاذ اللہ)

آخر جبرئیل نے یہ آیت سنائی:۔

کہ اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو آپ کے ربّ نے آپ کی طرف اتارا ہے اس کو پہنچایئے۔

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''غدیر خم'' کے موقع پر اعلان فرمایا،

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت علی کی خلافت کا اعلان تھا کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوں گے۔

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ کسی دشمن ایمان و اسلام کی من گھڑت بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایک ایسا ناپاک الزام و بہتان ہے۔ (العیاذ اللہ) جس کا کوئی ایمان والا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ پوری آیۂ کریمہ میں غور فرمایئے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:۔

اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر آپ نے پیغمبری کا حق نہ ادا کیا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافر قوم کو (آپ کے مقابلہ میں کامیابی کی) راہ نہیں دکھائے گا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے کسی حکم کو کسی کے خوف سے چھپایا یا اس کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا فرض منصبی پورا کرنے میں غفلت سے کام لیا اور اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

خدا کی قسم! وہ آپ کی ذات تھی جو مخالفت کے تلاطم خیز طوفان میں بھی کوہِ آسا کی طرح مستحکم رہی۔ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے کہ سر پر مصیبتوں کے پہاڑ اٹھا لئے مگر حق و صداقت کی آواز بلند کرنے سے باز نہ آئے۔

صرف ایک ہی واقعہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزیمت و استقامت اور استقلال و استحکام کا اندازہ ہو سکتا ہے جب کفارِ مکہ کے تمام قبیلے اور خاندان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل پر متفق ہو گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کو بلا کر کہا ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ کہتا ہے اور ہمیں احمق قرار دیتا ہے اس لئے ہم تمہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اب ہم کوئی فیصلہ کر کے ہی رہیں گے۔ ابوطالب نے شدت سے محسوس کیا کہ اب حالات نہایت نازک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ بلاشبہ اب یہ لوگ صبر و تحمل سے کام نہیں لیں گے اور میں اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔

واپس آئے اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کر کفار کے عزائم سے آگاہ کیا اور کہا جانِ عم! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں؟ مقام غور ہے کہ عرب

کے وحشی ملک میں جہاں کوئی آئین اور کوئی عدالت نہیں تھی کہ مظلوم اپنا حق طلب کر سکے اور سردارانِ قریش سب کے سب دشمن کہ ان کے دلوں میں عداوت و انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے اور ظاہری اسباب کے پیش نظر صرف ایک چچا پشت و پناہ اور سہارا تھا۔ وہ کفار کے عزائم کو دیکھ کر ڈگمگا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں بڑے بڑے بہادروں کے پائے ثبات میں بھی لغزش آ جاتی ہے مگر عزم و استقلال کے پیکر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر بھی رکھ دیں تب بھی میں اپنا فریضہ سرانجام دینے سے باز نہ آؤں گا یا تو اللہ میرے اس کام کو پورا کر دے گا یا میں اس پر نثار ہو جاؤں گا!

عزم و استقلال کی یہ آواز چچا کے دل کو چیر کر گہرائیوں میں اتر گئی۔ نہایت متاثر ہو کر بھتیجے سے کہا! جاؤ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

اندازہ کیجئے ایسے جلیل القدر عظیم المرتبت، مجاہد الاکبر، اولوالعزم رسول کی طرف ایسی بات منسوب کرنا کس قدر ان کی توہین ہے۔

آئین جوان مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اصل حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی تو راستے میں ایک مقام "غدیرخم" (غدیر بڑے تالاب اور خم گاؤں کا نام ہے) کے پاس قیام فرمایا۔ یہاں سے لوگوں کے جانے کے راستے جدا جدا ہوتے تھے۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا:۔

اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاہُ

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس فرمان عالی کا سبب یہ ہوا تھا کہ جب یمن کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو چند صحابہ کرام کے ساتھ خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) لینے کے واسطے یمن بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن پہنچ کر خمس پر قبضہ کیا۔ اس میں لونڈیاں اور غلام بھی تھے۔ ایک لونڈی بہت خوبصورت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی صحبت سے مشرف فرمایا۔ بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ انہوں نے پہلے تو حضرت خالد کو اس بات کا شکوہ کیا اور پھر یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بے جا شکایتیں بھی کیں۔ ان شکایتوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اندازہ فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں میں اپنے حاکم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم و تکریم اور الفت و محبت کی بجائے ایسے جذبات پرورش پا رہے ہیں جو آگے چل کر نفرت و عداوت اور بغاوت کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بھی وحی الٰہی سے معلوم ہوا تھا کہ آئندہ خوارج بھی پیدا ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عداوت و دشمنی رکھیں گے۔

اس لئے آپ نے خاص طور پر وہاں اعلان فرمایا کہ علی کے ساتھ محبت رکھنا گویا اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ہے اور ان سے عداوت رکھنا گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت رکھنا ہے۔ (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ بارک وسلم)

رہا لفظ مولیٰ سے خلافت بلافصل ثابت کرنا تو وہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیونکہ لفظ مولیٰ کے معنی خلیفہ کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی دوست اور مددگار کے ہیں چنانچہ لفظ ''مولیٰ'' ولی سے ماخوذ ہے اور ولی کے معنی مددگار اور دوست کے ہیں

کما قال اللّٰہ تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:۲۵۷)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست اور مددگار ہے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (التحریم:۴)

بے شک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔

اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: اے اللہ تو ہمارا مولیٰ ہے سو ہم کو کافروں پر مدد دے۔

دیکھئے ان آیات میں لفظ ''مولیٰ'' موجود ہے مگر اس کا معنی خلیفہ ہرگز نہیں بلکہ دوست و مددگار ہے۔ اس طرح من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا معنی و مطلب یہی ہے کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے مددگار ہیں اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تمام مسلمانوں کے دوست و مددگار ہیں اور قرینہ بھی یہ بتلاتا ہے کہ مولیٰ کے معنی دوست اور ناصر ہی کے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان

مَنْ كُنْتَ مَوْلَاهُ کے آخر میں ہے:

اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ

اے اللہ اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے اور لفظ مولیٰ اور

وَالِ مَنْ وَّالَاهُ

دونوں کا مشتق منہ ایک ہی ہے اور جب دو لفظ ہم معنی ایک ہی مقام پر مذکور ہوں تو بوجہ مناسبت معنوی ایک ہی معنی لینا ضروری ہے اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں لفظ عداوت و دشمنی فرمانا صریح قرینہ ہے اس بات کا کہ اس کے مقابل لفظ میں معنی دوستی و محبت کے لئے جائیں تاکہ مقابلہ صحیح ہو۔

چنانچہ اگر یہ نہ مانا جائے اور مولیٰ کے معنی امام و خلیفہ کے لئے جائیں تو وَالِ مَنْ وَّالَاهُ کے معنی بھی امام اور خلیفہ کے لینے پڑیں گے تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ! جو علی کو امام و خلیفہ کرے تو اس کو امام و خلیفہ کر ایسی صورت میں ان سب لوگوں کو امام و خلیفہ ہونا چاہیے جو حضرت علی کو خلیفہ و امام بلافصل مانتے ہیں پھر شیعہ حضرات کو بارہ امام نہیں بلکہ سینکڑوں امام ماننے پڑیں گے نیز اگر بقول شیعہ مولیٰ کے معنی امام تسلیم بھی کر لئے جائیں تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی امام ہونا لازم آئے گا کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکم نفرمان

میں اپنے لئے بھی تو من کنت مولاہ فرمایا ہے۔

حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول بلکہ سیّد الرسل ہیں امام کا مرتبہ تو بدرجہا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کم بلکہ نبی سے بھی کم ہے تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص ہوتی ہے اور پھر شیعوں کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حضرت علی کی طرح امام ہوں گے۔ اس صورت میں شیعوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ثلاثہ عشری کہا کریں۔

اثنا عشری کہلانے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا امام نہیں مانتے۔

اگر بالفرض والمحال مولیٰ کے معنی امام ہی مراد لئے جائیں تو بھی ہمارے اہل سنت کے مسلک کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ اہل سنت بھی حضرت علی کو امام مانتے ہیں ہاں بلافصل نہیں مانتے اور اس فرمان رسول سے بلافصل ہونا کسی لفظ سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز اگر حدیث من کنت مولاہ بقول شیعہ امامت پر دلالت کرتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دلیل کو ضرور اپنی خلافت کے دعویٰ میں صحابۂ کرام کے سامنے پیش کرتے۔ آپ پر یہ فرض تھا کیونکہ یہ مسئلہ ذاتی نہیں تھا بلکہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی منفعت بھی تھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور اطاعت بھی تھی۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و رضا اور امر خطبۂ خلافت کو فراموش کر دیا تھا؟

تعجب ہے کہ حضرت علی امیر معاویہ کے سامنے تو اپنی خلافت اور اطاعت کے حق کے ہونے کے معاملے میں صرف دلائل ہی پیش نہیں کرتے بلکہ جنگ بھی کرتے ہیں۔

خلفاء ثلثہ کے سامنے وہ کسی وقت بھی نہ اس دلیل کو پیش کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے جنگ و جدال کرتے ہیں۔

پس یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ایک تو اس حدیث کا امامت و خلافت سے کوئی

تعلق نہیں دوسرا خلفاء ثلاثہ کی خلافت و امامت حق تھی ورنہ حضرت علی جیسا شیر خدا شخص دب کر اور خصوصاً اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد و رضا کے خلاف ہوتے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔ ان کے فرزند ارجمند حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو یزید کی باطل امامت کو تسلیم نہ کریں اور کربلا کے میدان میں اپنی آنکھوں کے سامنے سارا گھر لٹتا دیکھ لیں اور شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ کریں بلکہ خلفاء ثلاثہ کی بیعت کریں ان کے پیچھے نمازیں بھی ادا کریں اور ان کے ساتھ تقریباً چوبیس سال تک پورا پورا تعاون کریں۔ بلاشبہ یہ ان خلفائے ثلاثہ کے برحق خلفاء و امام ہونے کی دلیل ہے۔

علی مولا

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس دو دیہاتی لڑتے ہوئے آئے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کردیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ کیا فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان؟ تو یہ سن کر!

حضرت عمر ٹوٹ پڑے اور اس کا گریبان پکڑ کر فرمایا جانتا ہے یہ کون ہیں؟ یہ تیرے اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں اور جس کے یہ مولیٰ نہیں ہیں وہ مومن نہیں۔

(الصواعق المحرقہ ۱۷۷)

مومن و منافق کی پہچان

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے دانہ پھاڑ اور اس کو روئیدگی عنایت کی اور جانوروں کو پیدا فرمایا، بے شک نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مجھ (علی) سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور نہیں بغض رکھے گا مگر منافق۔ (مسلم مشکوۃ صفحہ ۵۶۴)

منافق کی علامت

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حضرت علی

کرم اللہ وجہہٗ سے بغض رکھنا منافق کی علامت تھی۔ (ترمذی شریف)

رسول اللہ کے بھائی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے درمیان اخوت (بھائی چارہ) قائم کیا یعنی دو دو صحابہ کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ روتے ہوئے تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے درمیان اخوت قائم کی مگر مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

(اے علی) تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۴)

رسول اللہ کی دعا

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو کہیں بھیجا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ مجھے موت نہ آئے جب تک علی کو نہ دیکھ لوں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

خدا کا پیارا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک بھنا ہوا پرندہ (ہدیۃً) آیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:-

اے اللہ! میرے پاس اس شخص کو بھیج جو تجھ کو تیری مخلوق میں بہت پیارا ہوتا کہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے پس حضرت علی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ وہ پرندہ کھایا۔ (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۶۴)

اللہ سے سرگوشی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کے دن حضرت علی کو بلایا اور کافی دیر تک ان کے ساتھ آہستہ آہستہ یعنی خفیہ طور پر باتیں

کیں تو لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے بیٹے سے بڑی طویل سرگوشی فرمائی ہے:۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے کی ہے۔(یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی ہے) (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۴)

ام المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علی کو برا کہا گویا اس نے مجھ کو برا کہا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۵)

خادمِ اہلِ سنت

الحمد للہ کتاب وسنت سے اس خادم اہل سنت نے امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، امام المتقین، برادرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، زوجِ بتول، پدرِ حسنین، فخرِ کونین، سیّد السادات، مولائے کائنات، قاسمِ ولایت، فاتح خیبر، شیرِ خدا، مرتضیٰ، مشکل کشا، حضرت ابوالحسن سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے کچھ فضائل ومناقب پیش کیے۔ مسلک اہل سنت و جماعت سے وابستہ ہر شخص خانوادۂ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر فرد کی محبت کو سرمایۂ ایمان اور ذریعہ نجات سمجھتا ہے۔ یاد رکھیے عقیدہ قرآن وحدیث کی خبر سے بنتا ہے اگر کسی امام و مجتہد کا قول وفعل قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہو تو ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اہل ایمان کو خانہ ساز اور من گھڑت روایات پر ہٹ دھرمی کی بجائے کتاب و سنت اور مستند حوالوں کو رہنما بنا کر اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ان آیات وحدیث کے بعد حقیقت احوال میں کوئی شبہ باقی نہیں ہوگا۔

شجاعتِ مولا علی

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شجاعت و بہادری کی شہرت عام ہے۔ آپ کی شجاعت وبہادری کے واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر وہ تفصیل کے ساتھ سب کے سب لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ چند پیش خدمت ہیں، آپ سوائے غزوۂ تبوک کے باقی تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ

رہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے کافروں کو واصل جہنم کیا۔

جنگ بدر میں لشکر کفار کے سردار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو ساتھ لے کر سب سے پہلے میدان میں نکلا اور مقابلہ کے لئے للکارا۔

لشکر اسلام میں سے حضرت عوف، حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ان کے مقابلے کو نکلے۔ عتبہ نے نام ونسب پوچھا جب اس کو معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو اس نے پکار کر کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار کو واپس بلا لیا اور حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث کو بھیجا۔ عتبہ نے ان سے بھی نام ونسب پوچھا۔ ان کے بتانے پر اس نے کہا ہاں تم ہمارے جوڑ کے ہو۔

عتبہ حضرت حمزہ اور ولید حضرت علی کے مقابل ہوا۔ دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد معرکۂ قتال گرم ہو گیا۔ حضرت علی نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ بدر کے دن آسمان سے ایک فرشتہ جسے رضوان کہا جاتا ہے پکارا کہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں اور علی جیسا کوئی جوان نہیں۔

(الریاض النضرہ ج ۲،ص ۲۵۱، البدایہ والنہایہ ج ۷،ص ۳۳۶، ج ۷،ص ۲۲۴)

جنگ احد میں ابوسعید بن ابوطلحہ لشکر کفار کے علم دار نے میدانِ جنگ میں نکل کر اپنا مقابلہ طلب کیا۔ اس کے چند بار آواز دینے پر جب کوئی نہ نکلا تو اس نے براہ تکبر ونخوت کہا اے اصحاب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارا دعویٰ تو ہے کہ جو تم میں سے مارا جاتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے اور ہم لوگوں کو تم دوزخی کہتے ہو۔

لات وعزیٰ کی قسم تم جھوٹے ہو دیکھو میں کب سے تمہیں پکار رہا ہوں لیکن کوئی میرے مقابلے میں نہیں آ رہا ہے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو پھر مرنے سے کیوں

ڈرتے ہو۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟ شیر یزداں شاہ مرداں مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس کی یہ ہرزہ سرائی سنی تو فوراً مثل شیر غراں صف سے نکلے اور اس کے ساتھ مقابلہ کیا اور چند لمحوں کے اندر ہی اس کو خاک اور خون میں تڑپا دیا۔ (شمس التواریخ ج ۴، ص ۸۵۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں مجھ کو سولہ زخم پہنچے۔ ان میں سے چار زخم ایسے کاری پہنچے کہ میں اس کے صدمہ سے زمین پر گر پڑتا تھا مگر ہر مرتبہ ایک خوبصورت جوان جس سے بڑی خوشبو آتی تھی میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کر دیتا اور کہتا جاؤ اللہ کی راہ میں لڑو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے راضی ہیں جب لڑائی ختم ہوئی تو میں نے یہ ماجرا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔

''فرمایا اس خوبصورت جوان کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا پہچانتا تو میں ہوں مگر وہ دحیہ کلبی کے مشابہ تھا۔ فرمایا: اللہ تمہاری آنکھیں روشن کرے وہ جبرائیل تھے۔

(نور الابصار صفحہ ۹۶ معارج النبوت ج ۴، ص ۱۰۸)

عمرو بن عبدود نامی ایک شخص شجاعان عرب کا سردار مانا جاتا تھا۔ اس کی شجاعت و بہادری کا یہ عالم تھا کہ اکیلا ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں یہ مردود غازیان اسلام کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگا تھا۔ اس نے یہ نذر مانی تھی کہ جب تک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں سے بدلہ نہ لے گا اپنے سر پر تیل نہیں لگائے گا۔ جنگ احد میں بوجہ زخموں کے لڑنے کے قابل نہ ہوا تھا اس لئے شریک نہ ہوا۔ غزوۂ خندق میں یہ مغرور نشہ جرأت سے مخمور میدان جنگ میں مثل جنگی ہاتھی چنگھاڑتا پھرتا تھا اور بکمال نخوت و غرور رجزیہ اشعار پڑھتا اور مقابلے کی دعوت دیتا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی یاوہ گوئی سن کر فرمایا: کون ہے جو اس کافر مغرور کا کام تمام کرے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صف سے نکل کر بکمال ادب عرض کی۔ حضور مجھے اجازت ہو؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا اور وہ برابر مقابلے کے لئے للکار رہا تھا۔ حضرت علی نے پھر اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عمرو بن عبدود ہے؟ حضرت علی نے عرض کی ہاں، میں جانتا ہوں تو

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی اور اپنی تلوارِ ذوالفقار حضرت علی کو دی اور اپنی زِرّہ اتار کر پہنا دی اور عمامہ مبارک اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر باندھا اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ الٰہی عبیدہ بن حارث کو تو نے بروز بدر اور حمزہ بن عبدالمطلب کو تو نے بروز احد اپنے پاس بلا لیا۔ اب یہ علی تیرا بندہ میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے میں اس کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ الٰہی تو اس کی مدد فرما اور صحیح و سالم مظفر و منصور پھر مجھ سے ملا۔ شاہِ مرداں شیرِ یزداں حضرت علی پاپیادہ اس کے سامنے پہنچے۔ عمرو کا قول تھا کہ اگر کوئی شخص مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علی نے پوچھا کیا یہ واقعی تیرا قول ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام قبول کر؟ اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا! فرمایا لڑائی سے واپس چلا جا؟ اس نے کہا میں قریش کی عورتوں کے طعنے نہیں سن سکتا وہ کہیں گی کہ بڑا مرد تھا کہ نذر پوری نہ کر سکا اور بغیر جنگ کے واپس آ گیا۔ فرمایا پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ؟ عمرو ہنسا اور کہا کہ مجھ کو یہ امید نہ تھی کہ اس آسمان کے نیچے کوئی مجھ سے یہ بھی کہے گا کہ لڑائی کے لئے تیار ہو جا چونکہ حضرت علی پیادہ تھے اس لئے اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ سوار ہو کر مقابلہ کرے۔ گھوڑے سے اتر آیا اور تلوار مار کر بے زبان گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں پھر آپ سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام بتایا۔ اس نے کہا کہ تم ابھی کمسن نوجوان ہو۔ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ تمہارے باپ میرے دوست تھے۔ مجھ کو پسند نہیں کہ اپنی تلوار خوں خوار سے تمہارا خون گراؤں۔ جاؤ تم واپس جاؤ۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن مجھ کو تمہارا خون بہانا پسند ہے۔ عمرو اب غصے سے بے تاب تھا۔ تلوار میان سے نکالی اور ایک دم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر وار کر دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وار کو سر پر روکا لیکن تلوار نے سر کو کاٹ دیا اور پیشانی پر لگ گئی جس سے ہلکا سا زخم پیشانی پر آ گیا۔ دشمن کے وار کے بعد شیر خدا نے تلوارِ ذوالفقار سے ایک ایسا بھرپور وار اس کے شانے پر کیا جس سے اس کا شانہ کٹ گیا اور تلوار نیچے تک اتر گئی گویا دو ٹکڑے کر دیئے اور ساتھ ہی اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان کیا۔ یہ دیکھ کر ضرار اور ہبیرہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹوٹ پڑے لیکن

جب ذوالفقارِ حیدری دیکھی تو پیچھے ہٹ کر بھاگ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بعد اس کی ذرہ و سلاح جنگ وغیرہ پر کوئی توجہ نہ فرمائی۔ عمرو کی بہن اس کی لاش پر روتی ہوئی آئی اور سرہانے بیٹھ کر دیکھا تو ہتھیار وغیرہ موجود تھے، کہنے لگی میرے بھائی کا قاتل کوئی مرد کریم الطبع، گرامی قدر بہادر اور قومیت میں اس کا ہمسر و مقابل معلوم ہوتا ہے پھر لوگوں سے دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ علی بن ابی طالب نے تیرے بھائی کو قتل کیا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو محبوب رکھتے ہیں، بس پھر کیا تھا آرزومندوں کو رات کاٹنی مشکل ہوگئی۔ مجاہدین کی نیندیں اڑ گئیں ہر ایک کی یہی تمنا و آرزو تھی کہ اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہو۔ صبح ہوتے ہی سب کے سب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور ادب و احترام سے دیکھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا دست رحمت کس خوش نصیب کو سرفراز فرماتا ہے۔ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک لبوں کی جنبش پر ارمان بھری نگاہیں قربان ہو رہی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

علی ابن ابی طالب کہاں ہیں، عرض کیا گیا کہ ان کو تکلیف ہے ان کی آنکھوں پر آشوب ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں بلا لو! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر کئے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کے شفا بخش لعاب کو ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا فرمائی۔ اسی وقت ایسا آرام ہوا گویا آپ کو کبھی تکلیف ہی نہ تھی۔ (بخاری و مسلم مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳)

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر قلعہ خیبر کی طرف بڑھے۔ قلعہ کے پاس پہنچے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ جھنڈا گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے بالائے قلعہ سے جھانک کر پوچھا، اے بہادر تو کون ہے جس نے اس طرح بے خوف وخطر یہاں آ کر جھنڈا گاڑ دیا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں! یہودی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سن کر چیخ اٹھا اور کہنے لگا لوگو! قسم تورات شریف کی ہم مغلوب ہوئے اور برباد ہوئے۔ سب سے پہلے خیبر کے مشہور بہادر ''مرحب'' یہودی کا بھائی ''حارث'' یہ بڑا بہادر تھا، چند مردانِ جنگجو کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلا اور میدان میں آ کر مقابلے کی دعوت دی۔ لشکر اسلام سے دو سپاہی یکے بعد دیگرے اس کے مقابلے میں گئے مگر دونوں شہید ہو گئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلے میں گئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیک ضربِ شمشیر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

''مرحب'' نے جب اپنے جوان بھائی کا قتل دیکھا تو انتقامی جذبہ سے لبریز ہو کر سخت جوش وخروش کے ساتھ دوہری زرہ پہنے دو تلواریں لٹکائے دو عمامے سر پر باندھے ان پر ایک بھاری آہنی خود پہنے اور اس کے اوپر ایک گول پتھر بصورت خود باندھے ہوئے ہاتھ میں نیزہ جس کی بھال تین من وزنی تھی۔ قوی ہیکل شیر صورت میدان میں آ گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا

ترجمہ: - خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مَرحَب ہوں، سلاح پوش فنِ حرب میں ماہر اور شجاعت میں مشہور ہوں۔

ترجمہ: - جب کہ معرکہ میں شیر دراتے اور آگ کے شعلے بڑھکاتے ہیں اس وقت غالب مرحب کے حملہ سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

ترجمہ:- میرے خوف اور ڈر کی وجہ سے کوئی میرے نزدیک نہیں آتا میں کبھی نیزہ مارتا ہوں اور کبھی تلوار۔

ترجمہ: -اگر سارا زمانہ مغلوب بھی ہو جائے تو بھی میں غالب تر ہوں اور مدمقابل میرے نزدیک خون میں رنگا ہوا ہے۔

شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے مقابلے میں آئے اور یہ اشعار پڑھے:۔

ترجمہ:۔میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں شیر نیستاں کی طرح مہیب اور ہیبت ناک ہوں۔

ترجمہ: ۔میں تلوار کے بڑے پیمانے سے تمہیں ناپوں گا۔ یعنی بہت زیادہ قتل کروں گا اور میں تمہیں ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تمہاری پشت کا ایک ایک مہرہ جدا جدا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۔میں نیزے کو سخت زمین میں گاڑتا ہوں اور میں اپنی تلوار سے کافروں کی گردنیں مارتا ہوں۔

الغرض! دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ شاہِ مرداں، شیرِ یزداں نے تلوار ذوالفقار کا اس کے سر پر ایک ایسا وار کیا کہ تلوار خود کاٹتی ہوئی پتھر توڑتی اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہودیوں نے عام حملہ کر دیا۔ لشکر اسلام بھی ٹوٹ پڑا اور دونوں طرف سے خوب تلوار چلی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس معرکہ میں آٹھ نامی گرامی بہادروں کو قتل کیا۔ ایک یہودی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خداداد قوت سے قلعہ کا آہنی در اکھاڑ کر بطور ڈھال ہاتھ میں لے لیا اور لڑتے رہے۔ جب فتح کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آہنی دروازے کو پھینکا تو حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سات آدمیوں نے اس دروازے کو اٹھانا چاہا تو وہ نہ اٹھ سکا۔ ایک روایت میں چالیس آدمیوں کا ذکر ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا، خدا کی قسم میں نے قلعہ خیبر کا دروازہ قوتِ جسمانی سے اٹھایا نہیں بلکہ قوتِ ربانی سے اٹھایا تھا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۵، ص ۴۱۰)

کامل ابن اثیر میں ہے کہ لشکر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار بن

یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف بارہ جاں نثاروں کو ساتھ لے کر لشکر معاویہ پر حملہ کیا اور پورے لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے کے قریب پہنچ گئے اور پکار کر فرمایا، اے معاویہ طرفین کے لوگ مفت میں مارے جائیں کیا فائدہ؟ آؤ میرے مقابلے میں نکلو جو اپنے حریف کو مار دے وہی مستقل ہو جائے! عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ سے کہا علی رضی اللہ عنہ بات تو ٹھیک کر رہے ہیں؟ معاویہ نے کہا ہاں تم جانتے ہو ان کے مقابلے میں جو بھی آیا مارا گیا۔ عمرو نے کہا لیکن اس وقت تمہارا ان کے مقابلے میں نکلنا مناسب ہے۔ معاویہ نے کہا میں تمہارا مطلب سمجھتا ہوں تم مجھے مروانا چاہتے ہو۔ مجھے معاف رکھو! (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۲۴)

اسی میں لکھا ہے کہ جب معرکہ صفین میں شامیوں کی فوجِ کثیر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میمنہ لشکر پر حملہ کیا تو لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان خالی ہو گیا۔ حضرت علی پاپیادہ میسرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت تینوں صاحبزادے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ ہر طرف سے آپ پر تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ ابوسفیان کا غلام احمر آپ پر لپکا آپ کا غلام کیسان اس کے مقابل ہوا۔ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی احمر غالب آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور اس کو پکڑنا چاہا وہ بھاگا مگر اس کی ذرہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اسی سے اس کو سر تک اوپر اٹھا کر زمین پر ایسا دے مارا کہ اس کے دونوں مونڈھے اور بازو ٹوٹ گئے۔ شامی ہر طرف سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑ کر اپنے لوگوں میں جا کر ملیں تو بہتر ہو گا۔ فرمایا تمہارے باپ کے لئے ایک روز معین ہے نہ دوڑنے سے اس میں کوئی تاخیر ہو گی اور نہ یہاں ٹھہرنے سے اس میں تقدیم۔ خدا کی قسم تمہارے باپ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ موت پر واقع ہوں یا موت ان پر واقع ہو۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۱۸)

جنگ صفین میں بروایت سمعانی حضرت معاویہ کے قول سے ثابت ہے کہ حضرت

علی نے صرف ایک رات میں خود اپنے ہاتھ سے نو سو سے زیادہ آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔

(ناسخ التواریخ صفحہ ۴۱۸)

غور فرمائیے نو سو آدمی کم نہیں ہوتے اگر بلا مزاحمت اتنے آدمیوں کو کوئی شخص قتل کرے تو بھی اس کے دست و بازو شل ہو جائیں اور عین معرکۂ جنگ میں وہ بھی ایسے وقت جب کہ لشکر جرار کا مقابلہ ہو اور ہر شخص کا خیال ہوتا ہے کہ اپنے مقابل حریف کو قتل کر دے۔ ایسی حالت میں اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اتنے لوگوں کی للکار کو موت کی خاموشی میں بدلنا شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰ کے سوا کسی اور سے ممکن نہیں ہے؟

نہج البلاغۃ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔

واللّٰہ لو تظاھرت العرب علی قتالی ماولیت عنھا

کہ خدا کی قسم اگر تمام عرب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے میرے مقابلے میں آ جائیں اور مجھ سے جنگ کرنا چاہیں تو میں ہرگز ان سے منہ نہ پھیروں گا۔

اب کہیے جن کی شجاعت کا پیرانہ سالی میں یہ حال ہو عین شباب کے عالم میں کیا حال ہو گا اور کیا ایسے شجاع اور بہادر سے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا شرعی حق چھین لے اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے اور کچھ نہ کرے یا معاذ اللہ اس کی صاحبزادی کو چھین لے غضب کرے یا معاذ اللہ اس کی بیوی کے ساتھ نامناسب سلوک کرے اور وہ دم نہ مار سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے جس کی بے دینی و فتنہ انگیزی اور الحاد و زندقہ حضرات اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک مسلم ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

زیر پاش ایں جا شکوہ خیبر است
دست اوآں جا قسیم کوثر است

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

از علی آموز اخلاص عمل
شیر حق را داں منزہ از دغل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمل کا اخلاص سیکھو! اس شیر خدا کو نفسانی اغراض کی کھوٹ سے پاک سمجھو!

در غزا بر پہلوانے دست یافت
زور شمشیرے برآور دو شتاخت

ایک مرتبہ جنگ میں آپ نے ایک جنگ جو دشمن کو زیر کر لیا، پھر فوراً تلوار نکال کر اس پر حملہ آور ہوئے۔

او خدو انداحت بر روئے علی
افتخار ہر نبی و ہر ولی

اس نے (نعوذ باللہ) حضرت علی کے چہرہ اقدس پر تھوک دیا، کون علی وہ کہ جن پر ہر نبی اور ہر ولی کو فخر ہے۔

در زماں انداخت شمشیر آں علی
کرد او اندر غزائش کاہلی

حضرت علی نے فی الفور تلوار ہاتھ سے ڈال دی اور اس کے ساتھ جنگ کرنے میں التوا کیا۔

گشت حیراں آں مبارز در عمل
از نمودن عفو و رحم بے محل

وہ جنگ جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میدان کارزار میں اس بے موقع معاف فرمانے اور رحم کرنے سے حیران رہ گیا۔

در شجاعت شیر ربانیستی
در مروّت خوذ کہ داند کیستی

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادری میں تو شیر خدا مانے ہی ہوئے ہیں مگر مروت میں کون سمجھ سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس قدر اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔

گفت برمن تیغ تیزا فراشتی
از چہ افگندی مرا بگزاشتی

وہ کہنے لگا پہلے تو آپ نے مجھ پر تلوار اٹھائی، پھر کیا بات ہے کہ اس کو پھینک دیا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔

راز بکشا اے علی مرتضیٰ
اے پس سوء القضا حسن القضا

اے علی اس راز کو کھول دیجئے اور آپ تو میری بدقسمتی کے بعد خوش قسمت بن گئے کہ قصد قتل کے بعد عفو فرمایا۔

گفت من تیغ از پے حق می زنم
بندہ حقم نہ مامورِ تنم

حضرت علی نے فرمایا میں اللہ کے لئے تلوار چلاتا ہوں، میں اللہ کا بندہ ہوں تن اور نفس کا مطیع نہیں ہوں۔

شیرِ حقم نیستم شیر ہوا
فعل من بردین من باشد گواہ

میں شیر خدا ہوں، حرص و ہوا کا شیر نہیں ہوں چنانچہ میرا یہ فعل میرے کمالِ دین پر گواہ ہے۔

من چو تیغم پر گہر ہائے وصال
زندہ گر دانم نہ کشتہ در قتال

میں ایسی تلوار ہوں جس میں وصال کے موتی لگے ہوئے ہیں۔ میں جنگ میں کفار کو قتل نہیں کرتا بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ دولت ایمان کے ساتھ ابدی زندگی بخشوں۔

چوں خدو انداختی برروئے من
نفس جنبید وتبہ شد خوئے من

جب تو نے جنگ کے وقت میرے چہرے پر تھوکا، تو میرا دل حرکت غضبی میں آ گیا اور میرا خلق حسن بگڑنے لگا۔

چوں درآمد علتے اندر غزا
تیغ را دیدم نہاں کردن سزا

میرے جہاد میں جب ایک نفسانی علت شامل ہونے لگی تو اس وقت میں نے تلوار کو نیام میں ڈال دینا مناسب سمجھا۔

نیم برحق شدو نیمے ہیوا
شرکت اندر کار حق نبود روا

کیونکہ میرا جہاد کچھ تو اللہ تعالیٰ کے واسطے رہ گیا ہے اور کچھ مقتضائے خواہش نفس ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کام میں شرکت جائز نہیں۔

تا رَحَبَّ لِلّٰہ آید نامِ من
تا کہ اَبغضَ لِلّٰہ آید کامِ من

تا کہ میرا خالصاً لوجہ اللہ محبت کرنے والا نام قرار پائے تا کہ میرا مقصود خاص رضائے الٰہی کے لئے دشمنی کرنا ہو۔ (فائدہ، مسلمان کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو عبادت ہے) چنانچہ فرمایا: اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کر اسی لئے فرمایا:۔

"شرکت اندر کار حق نبود روا"

قرآن نے دشمن کو دوست بنانے کی جو تدبیر بتائی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا فعل اس کے عین مطابق ہے چنانچہ فرمایا: برائی کی مدافعت خوبی و نیکی سے کرو پھر تو تمہارا دشمن بھی تمہارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔

چنانچہ فرمایا۔

آندر آمن درکشا دم مرترا
تف زدی و تحفہ دادم مرترا

آؤ میں نے تمہارے لئے فیض کا دروازہ کھول دیا ہے، تم نے مجھ پر تھوکا تھا، میں تمہارے لئے ہدایت کا تحفہ لایا ہوں۔

مرجفا گر راچنیں ہامی دہم
پیش پائے چپ چساں سرغی نہم

میرا معمول ہے کہ میں اہل جفا کو ایسے ہی انعامات دیا کرتا ہوں اور پائے چپ پر بھی اس طرح سر رکھا کرتا ہوں، تو اس نے کہا۔

تیغ حلمت جانِ مارا چاک کرد

آب علمت خاک مارا پاک کرد

اے علی! آپ کے حلم کی تلوار نے ہماری جان کو چاک کر دیا اور آپ کے علم کے پانی نے ہماری خاک کو پاک کر دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی میرے اور تیرے سوا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ جنابت کی حالت میں مسجد کے اندر آئے۔

(ترمذی و مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں:۔

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت) علی کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

(المستدرک حاکم صفحہ ۱۴۶، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۹۱، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۱، کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ فرماتی ہیں کہ:۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت علی) کا ذکر عبادت ہے۔

(کنز العمال ص ۶ ص ۱۵۶)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ نبی پاک نے فرمایا یہ عرب کا سردار ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قربان! عرب کے سردار تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ فرمایا میں تمام جہان کا سردار ہوں اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کا سردار ہے۔

(الصواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰، حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۳، المستدرک ج ۳ ص ۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا:-

پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین القاب و خصال وحی فرمائے کہ وہ مسلمانوں کا سردار، متقیوں کا امام اور سفید ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہے۔

(کنز العمال ج ۶، ص ۱۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جنت تین آدمیوں حضرت علی و عمار و سلمان کی مشتاق ہے۔

(المستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۳۷)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیج دیا جس وقت وہ واپس لائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا فرما چکے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھا اور آرام فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنبش تک نہ کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا اے علی کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں!

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ یہ علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو اس پر سورج کو لوٹا دے، حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ سورج جو غروب ہو گیا تھا وہ غروب ہونے کے بعد پھر طلوع ہو گیا یہاں تک کہ پہاڑوں پر اور زمین پر برف چمکنے لگی، حضرت علی اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھی، پھر سورج غروب ہو گیا اور یہ واقعہ مقام صہبا کا ہے۔

(مشکل الآثار ج ۴، ص ۳۸۰، ج ۲، ص ۸ و زرقانی علی المواہب ج ۵، ص ۱۱۶)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل فرما کر ان اکابر ائمہ کا ذکر کیا ہے جو اس کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اور پھر ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا:-

کہ ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ عراق میں علامہ ابو منصور المظفر بن اردشیر القبادلی کی مجلس وعظ میں حاضر تھے۔ وہ عصر کے بعد اسی

حدیث ردّ شمس اور اہل بیت کے فضائل بیان فرما رہے تھے کہ آسمان پر اس قدر بادل چھا گئے کہ انہوں نے آفتاب کو چھپا لیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہو گیا کہ آفتاب غروب ہو گیا تو دفعۃً علامہ صاحب نے منبر پر کھڑے ہو کر آفتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

اے آفتاب! جب تک مدحِ آل محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ختم نہ کروں ہرگز غروب نہ ہونا۔

جب تک میں ان کی صفت و ثنا کروں تو بھی اپنی باگ موڑ رکھ، اے آفتاب کیا تو بھول گیا جب کہ تو ان کے واسطے لوٹ آیا تھا اور غروب ہونے سے ٹھہر گیا تھا۔

اگر اس وقت کو مولائے کائنات کے لئے ٹھہر گیا تھا تو چاہیے کہ اس وقت بھی ان کی اولاد اور نسل کے لئے غروب ہونے سے توقف کر۔

فرماتے ہیں کہ بادل فوراً ہٹ گیا اور سورج صاف طور پر نظر آنے لگا۔

(الصواعق المحرقہ ج۱۲۶، روح البیان صفحہ ۱۵۲)

حجرِ اسود کی گواہی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گئے جب آپ حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو چوما۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا اے امیر المومنین! یہ پتھر نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ کو کیسے علم ہے؟

حضرت علی نے فرمایا اللہ کی کتاب قرآن سے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کہ جب نکالا تمہارے ربّ نے بنی آدم کو پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے اس عہد و پیمان کو ایک ورق پر لکھا اور اس وقت اس حجر اسود کی آنکھیں بھی تھیں اور منہ بھی تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس کو فرمایا منہ کھول! اس نے منہ کھول دیا

اللہ تعالیٰ نے وہ ورق جس پر عہد و میثاق لکھا ہوا تھا اس کے منہ میں رکھ دیا اور یہ نگل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پتھر قیامت کے دن ان کی گواہی دینا جو تیرے پاس اس عہد کو پورا کرتے ہوئے آئیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن یہ حجر اسود آئے گا اور اس کی زبان بہت تیز ہوگی اور ہر اس شخص کی گواہی دے گا جو ایمان کے ساتھ اسے چومے گا

تو اے امیر المومنین یہ اس طرح نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسی قوم میں زندہ رہوں جس میں اے ابوالحسن آپ نہ ہوں۔ (تفسیر درمنثور ج ۳، ص ۱۴۴)

ان تمام روایات میں بہت سے مسائل کا حل بھی ہے اور اہل محبت کے لئے یہ روحانی تسکین اور قلبی طمانیت کا باعث ہے۔ ان مسائل کا ذکر یہاں طوالت کے سبب نہیں کیا جا رہا تاہم قارئین پر مسلک حق اہل سنت و جماعت کی حقانیت خوب واضح ہو رہی ہے۔ الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

علم و فضل

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے قاضی (جج) بنا کر یمن کی طرف بھیجا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کم عمر، ناتجربہ کار اور قضا جانتا نہیں ہوں تو فیصلے کیسے کروں گا؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مار کر فرمایا الٰہی اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کر اور اس کی زبان کو استقلال عطا فرما! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پروردگار کی قسم اس دن سے کسی معاملے کے فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ بھر بھی شبہ نہ ہوا۔ (مستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۳۵، تاریخ الخلفاء)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سب سے

بہتر فیصلہ کرنے والے تھے۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سینہ مبارک علم و حکمت کا گنجینہ بن گیا جس کے فیض سے سینے علوم و معارف کے گنجینے بن جائیں خود اس کے علوم کا کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ:۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(ترمذی و حاکم ج ۳، ص ۱۲۶)

ذاتِ او دروازۂ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

(اقبال)

حضرت سعید بن مسیب تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں صحابہ میں سوائے حضرت علی کے کوئی ایسا نہ تھا جس نے فرمایا ہو مجھ سے پوچھو؟

(الریاض النضرہ ج ۳، ص ۲۶۲، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۵، کنز العمال ج ۶، ص ۳۹۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔

کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم کے ہزار باب تعلیم کیے اور ہر باب سے آگے علم کے ہزار ہزار باب کھلتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۳۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے پوچھا کہ علی کیسے آدمی تھے۔ فرمایا:۔

ان کا پیٹ علم و حکمت، قوت و طاقت اور شجاعت سے لبریز تھا اور پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت بھی رکھتے تھے۔

(احمد، الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۵۶، استیعاب ج ۲، ص ۴۷۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی میرے علم بھید کا خزانہ ہے۔

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ص ۴۱۷، کنز العمال ج ۶، ص ۱۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ قرآن سات حرفوں (یعنی قرأتوں) میں نازل ہوا ہے اور کوئی ایک حرف ایسا نہیں جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو اور ہر حرف کے ظاہر و باطن کا علم حضرت علی کے پاس ہے۔ (کشف الظنون، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵)

حضرت مسلم بن اوس و جاریہ بن قدامہ سعدی فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:-

پوچھو مجھ سے قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ بلاشبہ عرش کے سوا کسی چیز کے متعلق تم مجھ سے نہیں پوچھو گے مگر میں اس کی خبر دوں گا۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۵ خالص الاعتقاد صفحہ ۴۴)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خطبے میں تھا، آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا:-

مجھ سے پوچھو خدا کی قسم قیامت تک ہونے والی کسی چیز کے متعلق تم مجھ سے نہیں پوچھو گے مگر میں تمہیں بتاؤں گا۔ (خالص الاعتقاد صفحہ ۴۴ ۱، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۶۲)

علامہ سیّد شریف رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں کہ جفر و جامع امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دو کتابیں جن میں آپ نے علم الحروف کی روش پر ختم دنیا تک جتنے واقعات ہونے والے ہیں سب ذکر فرمائے ہیں۔ آپ کی اولاد امجاد سے ائمہ مشاہیر رضی اللہ عنہم ان کتابوں کے رموز کو پہچانتے اور ان سے احکام لگاتے تھے چنانچہ مامون رشید نے جب حضرت امام علی رضا، امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے بعد ولی عہد کیا اور خلافت نامہ لکھ دیا تو امام علی رضا نے اس کے قبول میں فرمان بنام مامون رشید تحریر فرمایا کہ:-

بلاشبہ تو نے ہمارے حقوق پہچانے جو تمہارے باپ دادا نے نہ پہچانے تھے اس لئے میں تمہاری ولی عہدی قبول کرتا ہوں مگر جفر و جامع بتا رہی ہیں کہ یہ کام پورا نہ ہوگا۔

(خالص الاعتقاد صفحہ ۴۵)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور امام صاحب نے مامون رشید کی زندگی ہی میں شہادت پائی۔

شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزہ پر مسح کرنے کی نسبت پوچھا:۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھو! (مسلم، الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۵۵)

۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ عاشورہ کے دن روزہ کی نسبت تمہیں کس نے فتویٰ دیا ہے؟

لوگوں نے کہا (حضرت) علی نے فرمایا، وہ سنت (نبوی) کو لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۵۵)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:۔
کہ حضرت علی کی موجودگی میں کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے۔
(استیعاب ص ۲، ص ۴۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ ہم میں بڑے قاضی علی ہیں۔
(استیصاب ج ۲، ص ۴۷۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص ۶۵، الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۵۲، صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ریش مبارک بہت گھنی اور بھری ہوئی تھی، چنانچہ ایک دن ایک یہودی جس کی داڑھی بھری ہوئی نہیں تھی بلکہ کہیں کہیں چند بال تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے علی آپ کا دعویٰ ہے کہ قرآن میں ہر شے کا بیان ہے اگر یہ ٹھیک ہے تو بتایئے قرآن میں میری اس مختصر اور آپ کی گھنی داڑھی کا بیان ہے؟ فرمایا ہاں سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
جو اچھی زمین ہوتی ہے وہ اپنے ربّ کے حکم سے خوب اگاتی ہے اور جو خراب زمین ہے وہ نہیں اگاتی مگر تھوڑا تھوڑا۔ (القرآن)

لہٰذا وہ اچھی زمین میری ہے اور وہ خراب زمین تیری تھوڑی ہے۔

حضرت ابی حزن بن اسود فرماتے ہیں کہ ایک مجنونہ عورت نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ جنا، لوگوں نے اس پر زنا کا الزام لگایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے رجم کا ارادہ فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ چھ ماہ کے بعد بھی بچہ ہو سکتا

ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف:۱۵)

ترجمہ: اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔

اور بچہ کے حمل میں رہنے اور اس کے دودھ چھوڑنے کی مدت تیس مہینے ہے اور دودھ چھڑانے کی مدت دو برس ہے فرمایا:۔

وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان:۱۴)

ترجمہ: اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے۔

لہٰذا چوبیس ماہ دودھ چھڑانے اور چھ ماہ حمل میں رہنے کے مہینے تیس ہوئے۔

نیز مجنون مرفوع القلم ہیں۔

انوکھا فیصلہ

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے رجم کا ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا اگر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا یعنی ایک بے گناہ عورت کا سنگسار ہونا میری ہلاکت کا باعث بن جاتا۔ (الریاض النضرہ ج ۲،ص ۲۵۶، استیصاب ج ۲،ص ۴۷۴)

ایک شخص نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دو عورتوں سے نکاح کیا، اتفاق سے ایک ہی رات اور ایک ہی جگہ دونوں نے بچے جنے، ایک کے لڑکی اور ایک کے لڑکا پیدا ہوا، رات اندھیری تھی۔ بعدازاں دونوں میں اختلاف ہو گیا کہ لڑکی کس کی ہے اور لڑکا کس کا؟ ہر ایک یہی کہتی تھی کہ لڑکا میرا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اختلاف جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔ آخر دونوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور ماجرا عرض کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے دودھ کا وزن کیا، جس کا دودھ وزنی نکلا اس کو لڑکا دے کر فرمایا بچہ اس کا ہے۔

تو کسی نے کہا کہ یہ مسئلہ آپ نے کہاں سے نکالا ہے؟ فرمایا اللہ کے اس فرمان سے کہ لڑکوں کے واسطے لڑکیوں سے دوگنا ہے۔ بے شک اللہ نے مرد کو ہر چیز میں فضیلت دی ہے یہاں تک کہ غذا میں بھی۔

حضرت حنش بن معتمر فرماتے ہیں کہ ایک عورت کے پاس دو قریشی سو دینار بطور امانت رکھ گئے اور کہہ گئے کہ جب تک ہم دونوں اکٹھے تیرے پاس نہ آئیں تم کسی ایک کو یہ امانت نہ دینا، ایک سال گزارنے پر ان میں سے ایک نے آ کر کہا کہ میرا وہ ساتھی مر گیا ہے لہٰذا وہ سو دینار مجھے دے دے، اس نے دے دیئے، ایک سال اور گزر جانے پر وہ دوسرا ساتھی بھی آ گیا اور آ کر سو دینار کا مطالبہ کرنے لگا، اس عورت نے کہا کہ تمہارا ساتھی میرے پاس ایک سال پہلے آیا تھا اور یہ کہہ کر کہ میرا ساتھی مر گیا ہے مجھ سے وہ سو دینار لے گیا ہے۔ اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ یہ عہد نہ تھا کہ جب تک ہم اکٹھے نہ آئیں یہ امانت کسی اکیلے کو نہ دینا؟ پس اس عورت اور مرد میں جھگڑا شروع ہو گیا چنانچہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے بیانات سنے اور سمجھ گئے کہ یہ آدمی اس عورت سے دھوکا کر رہا ہے۔ فرمایا:۔

کیا تم دونوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ جب تک ہم دونوں اکٹھے نہ آئیں تم یہ مال کسی ایک کو نہ دینا؟ کہا ہاں! تو فرمایا تیرا مال ہمارے پاس ہے جا اپنے ساتھی کو لا اور دونوں آ کر اپنا مال لے جاؤ! (الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۶۱، شمس التواریخ ج ۴، ص ۷۷۸)

قتل کا دعویٰ

ایک دفعہ کوفے سے سات آدمی اکٹھے سفر کو گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب سفر سے واپس آئے تو ایک ان میں نہ تھا، مفقود کی بیوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دربار میں آ کر ان چھ آدمیوں پر اپنے خاوند کے قتل کا الزام لگا کر دعویٰ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلایا اور ہر ایک کو الگ الگ مسجد کے گوشوں میں بٹھا کر ایک ایک آدمی ان پر مقرر فرمایا تا کہ ایک دوسرے سے مل کر بات نہ کر سکیں، پھر ایک کو ان میں سے بلا کر مفقود کا حال دریافت کیا۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس کے انکار پر حضرت نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس کے پانچ ساتھیوں نے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکبیر کی آواز سنی تو انہوں نے گمان کیا کہ ان کے ساتھی نے

سارے حالات بتا کر قتل کا اقرار کر لیا ہے۔ اس وجہ سے حضرت امیر المؤمنین نے تکبیر بلند فرمائی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بلایا تو ان سب نے اس بناء پر اس کے قتل کا اقرار کر لیا کہ ان کے ساتھی نے جب اقرار کر لیا ہے اور سارے حالات بتا دیئے ہیں، تو اب ہمارا انکار کچھ فائدہ نہ دے گا۔ وہ پہلا شخص کہنے لگا۔ اے امیر المؤمنین انہوں نے اقرار کیا ہے میں نے تو اقرار نہیں کیا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ لوگ تیرے ساتھی ہیں اور تیرے فعل پر شہادت دے رہے ہیں، ان کی شہادت کے بعد تیرا انکار تجھے نفع نہیں پہنچاتا۔ پس اس نے بھی ان کے ساتھ اس کے قتل میں شریک ہونے کا اقرار کیا جب ان کا اعترافِ قتل کامل ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر اللہ کا حکم جاری فرمایا۔

مولا علی کا فیصلہ حق ہے

ایک مرتبہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ دو آدمی لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے آئے۔ ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک گدھا تھا اس شخص کی گائے نے اس کو مار ڈالا ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ جانوروں کے فعل کا کوئی کیا ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ان کے درمیان فیصلہ کرو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا کہ وہ دونوں جانور بندھے تھے یا کھلے تھے؟ یا ان میں سے ایک بندھا اور دوسرا کھلا تھا؟ گدھے کے مالک نے کہا کہ میرا گدھا بندھا تھا اور اس کی گائے کھلی تھی اور یہ اس کے ساتھ تھا۔ گائے کے مالک نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ گائے کا مالک گدھے کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علی کا فیصلہ درست ہے۔ چنانچہ وہی فیصلہ جاری کیا گیا۔ (نور الابصار صفحہ ۸۸)

عجب کہانی

حضرت زر بن جیش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی کھانا کھانے بیٹھے ایک کے

پاس پانچ اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں کہ اتنے میں ایک تیسرا آ گیا۔ ان دونوں نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔ وہ تینوں آٹھوں روٹیاں کھا چکے تو وہ تیسرا آدمی اٹھا اور اس نے ان کو آٹھ درہم دے کر کہا کہ یہ عوض ہے اس کھانے کا جو میں نے تمہارے ساتھ کھایا ہے۔ پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میری پانچ روٹیاں تھیں اور تیری تین لہٰذا تین درہم تیرے ہوئے اور پانچ میرے، تین روٹیوں والوں نے کہا میں تین نہیں لوں گا بلکہ نصفا نصف چار تیرے اور چار میرے۔ اس پر ان میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ تصفیہ کے لئے دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس حاضر ہوئے اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین روٹیوں والے سے کہا کہ جو کچھ تیرا دوست تجھے دیتا ہے خوشی سے لے لے۔ اس میں تجھے فائدہ ہے۔ اس نے کہا جب تک مجھے میرا حق نہ ملے میں خوش نہیں ہوں گا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تیرا حق تو پھر ایک درہم ہے۔ اس نے کہا، امیر المؤمنین میرا حق ایک درہم کیونکر ہے؟

فرمایا آٹھ روٹیوں کی چوبیس تہائیاں پندرہ تیرے ساتھی پانچ روٹی والے کی اور نو تیری اور تم نے برابر کھایا ہے پس تو نے آٹھ تہائیاں کھائیں اور تیری نو میں سے ایک تہائی بچی اور تیرے دوست کی پندرہ تہائیاں تھیں آٹھ اس نے کھائیں اور اس کی سات بچیں، ایک تہائی تیری اور سات تیرے دوست کی آٹھ وہ کھا گیا آٹھ تہائیاں کھا کر اس نے آٹھ درہم دیئے لہٰذا فی تہائی ایک درہم تیرا اور سات تیرے دوست کے تو اس نے عرض کیا اب میں ایک ہی پر راضی ہوں۔

(استیصاب صفحہ ۴۷۵، کنز العمال ج ۵ ص ۴۹۷، الریاض النضرہ صفحہ ۲۶۳، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۷)

خداداد صلاحیت

ایک مرتبہ آپ گھر سے نکل کر کہیں جانے کے لئے سوار ہو رہے تھے، ایک پاؤں رکاب میں تھا کہ ایک عورت آ گئی اور عرض کیا یا امیر المؤمنین میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے اور مجھ کو لوگوں نے صرف ایک دینار دیا ہے۔ میں آپ سے اپنا حق اور

انصاف پوچھنے آئی ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت فرمایا کہ تیرے بھائی کی دو بیٹیاں ہوں گی؟ اس نے کہا ہاں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دو ثلث یعنی چار سو دینار ان کے ہو گئے پھر فرمایا تیرے بھائی کی ماں اور زوجہ بھی ہوں گی؟ اس نے کہا ہاں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سدس یعنی سو دینار ماں کے اور ثمن یعنی پچھتر دینار زوجہ کے ہوں گے۔ پھر فرمایا تیرے بارہ بھائی ہیں؟ کہا ہاں! فرمایا دو دو دینار بھائیوں کو ملے، ایک دینار تیرا حق ہے، پس تو اپنا حق پا چکی ہے، جا لوٹ جا!
(مطالب السؤل)

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے کے منبر پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے امیر المؤمنین! میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے اور اس کا خاوند کے ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے اور میرے داماد کے وارث اس کو نواں حصہ دیتے ہیں۔ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انصاف کا خواہاں ہوں۔ فرمایا اس کے ماں باپ بھی زندہ ہوں گے؟ عرض کیا ہاں! فرمایا کہ تیری لڑکی کا آٹھواں حصہ اب نواں حصہ ہو گیا ہے پس تو اس سے زیادہ مت طلب کر! (مطالب السؤل)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

کہ مدینہ منورہ کے فرائض کو سب سے زیادہ جاننے والے علی بن ابی طالب ہیں۔
(الریاض النضرہ ج ۲، ص ۲۵۶)

کرامات مولا علی

ماں اور بیٹے کی شادی

حضرت ابن شہر آشوب فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے میں تشریف لائے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگوں نے عرب سے کوفے میں آ کر بود و باش اختیار کر لی۔ ان میں سے ایک نوجوان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں داخل ہو گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لڑائیوں میں حاضر رہا۔ اس نوجوان نے عرب سے آئے ہوئے لوگوں میں سے ایک عورت کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا۔ اسی روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز کے بعد ایک آدمی سے فرمایا کہ فلاں محلے میں ایک مسجد ہے۔ اسی مسجد کے قریب ایک مکان ہے۔ اس مکان میں تجھے ایک عورت اور ایک مرد کے پاس میں تکرار کرنے کی آواز سنائی دے گی تو ان دونوں کو جا کر میرے پاس لے آ! وہ آدمی گیا اور ان دونوں کو لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تمام رات تکرار کیوں کرتے رہے۔ اس نوجوان نے عرض کیا یا امیر المومنین میں نے اس عورت سے نکاح کیا ہے جب خلوت کا وقت ہوا مجھے اس سے قدرتی طور پر ایسی نفرت ہو گئی کہ میرا دل چاہتا تھا کہ اس کو اسی وقت گھر سے نکال دوں اور میں نے اس سے صحبت وغیرہ نہیں کی۔ اس وجہ سے میری اور اس کی تکرار ہو رہی تھی کہ آپ کا خادم پہنچا اور ہم اس کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں چلے آئے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے فرمایا کہ بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو غیر کے سامنے بیان نہیں کی جاتیں۔ یہ سن کر تمام حاضرین سوائے ان دونوں کے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت سے فرمایا کیا تو جانتی

ہے کہ یہ نوجوان کون ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں! فرمایا اگر ہم تجھ پر تیری کوئی مخفی بات ظاہر کریں تو تو انکار تو نہیں کرے گی؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا کیا تو فلانی اور فلاں کی بیٹی نہیں ہے؟ کہا ہاں! فرمایا کیا تیرا چچازاد بھائی نہیں تھا اور تم دونوں میں محبت نہیں تھی؟ اس نے کہا ٹھیک ہے! فرمایا تیرا باپ تیرا نکاح اس سے نہیں کرنا چاہتا تھا اور اپنے پڑوس سے اس کو نکال دیا تھا؟ عرض کیا بالکل ٹھیک ہے! فرمایا کہ پھر تو ایک رات قضائے حاجت کے بہانے گھر سے نکلی اور اس سے جا کر ملی تو اس نے تجھ سے وطی کی اور تو اس سے حاملہ ہوگئی اور تو نے اپنے حمل کو اپنے باپ سے چھپایا اور تیری ماں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ وضع حمل کے وقت وہ رات کو تجھے لے کر گھر سے نکلی اور باہر جا کر تجھے لڑکا پیدا ہوا اور تم نے کپڑے میں لپیٹ کر وہیں رکھ دیا اور آپ وہاں سے چلیں کہ ایک کتا آیا اور اسے سونگھنے لگا۔ تجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں اسے کھا نہ جائے تو تو نے ایک پتھر اٹھا کر اس کو زور سے مارا اور پتھر اس بچے کے سر پر لگا اور اس کا سر زخمی ہو گیا تو نے اور تیری ماں نے وہاں پہنچ کر اس کے سر پر پٹی باندھی اور اس کو وہیں چھوڑ دیا اور دونوں گھر چلی آئیں پھر تمہیں اس کا حال معلوم نہیں۔ وہ عورت یہ سن کر حیران و خاموش ہوگئی۔ فرمایا سچ بول! عرض کرنے لگی یا امیر المؤمنین سچ ہے۔ میری ماں کے سوا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ فرمایا ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے پھر فرمایا فلاں قوم کے لوگ صبح صبح وہیں سے گزرے وہ اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ ان لوگوں میں پرورش پا کر جوان ہوا اور ان کے ساتھ کوفے میں آیا اور تیرے ساتھ نکاح کیا۔ یہ تیرا وہی بیٹا ہے پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان کو فرمایا اپنا سر کھول دے! اس نے کھول دیا اور زخم کا اثر نظر آیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تیرا بیٹا ہے خدا نے اس امر سے جو کہ اس پر حرام تھا اس کو بچایا ہے۔ اپنے بیٹے کو لے کر گھر لوٹ جا تم دونوں کے درمیان نکاح نہیں ہے۔ (مطالب السؤل، مطحمۃ الشافعی، شمس التواریخ ج ۴، ص ۸۰۰)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک حبشی غلام نے چوری کی۔ اس کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا تم

نے چوری کی ہے؟ اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا جی ہاں! آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ جب وہ ہاتھ کٹوا کے چلا تو راستے میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن الکراء نے اس سے پوچھا کہ تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟

اس نے جواب دیا امیر المؤمنین، امام المسلمین، دامادِ رسول، شوہر بتول، حضرت علی نے ابن الکراء نے کہا انہوں نے تو تیرا ہاتھ کاٹ دیا اور تو ان کی تعریف کر رہا ہے؟ اس نے کہا، میں ان کی تعریف کیوں نہ کروں، انہوں نے ہاتھ عدل کرتے ہوئے ازروئے حق کاٹا ہے اور مجھے دوزخ سے بچا لیا ہے! حضرت سلمان فارسی نے اس کا یہ جواب امیر المؤمنین حضرت علی کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حبشی کو بلایا اور اس کا ہاتھ اس کے پہنچے پر رکھ کر رومال سے ڈھانپ دیا اور دعا فرمائی تو ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ رومال کو ہاتھ سے اٹھا دو تو جونہی ہم نے رومال اٹھایا اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت کی خوبی سے درست ہو گیا تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۵، ص ۴۷۹)

ماں باپ ناراض تو خدا ناراض

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے ایک رات ایک شخص کو سنا جو نہایت دردناک لہجے میں اشعار پڑھ رہا تھا جن کا مضمون یہ تھا کہ اے اللہ تو بخشنے والا ہے، میری خطا کو معاف فرما کر مجھے بخش دے، حضرت علی نے دونوں صاحبزادوں کو فرمایا کہ اس کو بلاؤ! ان کے بلانے پر وہ شخص حاضر ہوا۔ اس کا دایاں ہاتھ سوکھا ہوا اور بیکار تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا کہ میں نے تمہارے اشعار سنے ہیں، کیا معاملہ ہے؟ اس نے عرض کیا حضور میں وہ شخص ہوں جو عیش و عشرت اور گناہوں میں مشغول رہتا تھا اور میرے والد مجھے نصیحت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفتیں بھی ہوا کرتی ہیں اور سزائیں بھی جو ظلم کرنے والوں سے دور نہیں ہوتیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے سختی سے نصیحت کی تو میں ان کو مار بیٹھا۔

انہوں نے قسم کھالی وہ میرے لئے بددعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے مکہ مکرمہ جائیں گے۔ چنانچہ وہ گئے اور میرے لئے بیت اللہ شریف میں بددعا کی بس اسی وقت سے میرا یہ دایاں ہاتھ خشک اور بیکار ہو گیا۔ میں اپنے کئے پر بہت نادم و شرمسار ہوا۔ ان کی منت و ساجت کی معافی مانگی یہاں تک کہ میں نے ان کو راضی کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے لئے دعا کرنے بھی وہیں جاؤں گا جہاں بددعا کی تھی چنانچہ میں نے ان کو اونٹنی پر سوار کر دیا مگر اونٹنی بدک گئی اور ان کو پتھروں کے درمیان لے جا کر پھینک دیا۔ وہ اسی وقت مر گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر تمہارے والد خوش ہو گئے تھے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو گیا، اس نے عرض کیا: خدا کی قسم میرے والد مجھ سے خوش ہو گئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند رکعتیں پڑھیں اور آہستہ آہستہ دعا کی اس کا ہاتھ اسی وقت درست ہو گیا۔ فرمایا اگر تمہارے والد خوش نہ ہوئے ہوتے تو میں تمہارے لئے دعا نہ کرتا۔ (جمال الاولیاء ج ۱، ص ۲۸)

مولا علی کی بددُعا

حضرت علی بن زاذان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک حدیث بیان فرمائی تو ایک شخص نے اس کی تکذیب کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تو جھوٹا ہو تو میں تیرے لئے بددعا کروں؟ اس نے کہا ہاں!

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بددعا فرمائی۔ پس وہ وہاں سے ہٹا بھی نہ تھا کہ اس کی بینائی جاتی رہی۔

(الریاض النضرہ ج ۲، ص ۴۹۶، الصواعق المحرقہ ص ۱۲۷، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۵)

تواضع وانکساری

حضرت ابومطر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد سے نکل کر جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی اپنا تہبند اوپر اٹھاؤ! میں نے مڑ کر دیکھا تو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ آپ کے ہاتھ میں درہ تھا۔ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹوں کے بازار میں تشریف لے گئے اور تاجروں سے

فرمایا، بیچو مگر قسم نہ کھاؤ کیونکہ اس سے برکت جاتی رہتی ہے۔ اگرچہ چیز بک جاتی ہے پھر ایک کھجور بیچنے والے کی دکان پر تشریف لے گئے دیکھا کہ غلام رو رہا ہے۔ اس سے رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے کہا میں نے اس دکان والے سے ایک درہم کی کھجور خریدی ہے مگر میرے مالک نے واپس کر دی ہے اور یہ مجھ سے واپس نہیں لیتا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دکاندار سے فرمایا یہ غلام ہے۔ اپنا اختیار نہیں رکھتا لہٰذا اس سے واپس لے لو! اس نے تامل کیا تو میں نے کہا تو جانتا نہیں کہ یہ کون ہیں؟ یہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں! اس نے کھجوریں واپس لے لیں اور اس غلام کو درہم دے دیا اور عرض کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ پر خوش ہوئے؟ فرمایا اگر مجھے خوش کرنا ہے تو لوگوں کو ان کا حق پورا دو! پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے دکانداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا، اگر مسکینوں کو کھلاؤ گے تو تمہارے کسب میں برکت ہو گی! وہاں سے مچھلی بیچنے والوں کی دکانوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا ہمارے بازار میں طافی یعنی وہ مچھلی جو مر کر پانی کے اوپر آ جاتی ہے نہ بیچنا! پھر پارچا فروشوں کی دکانوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا تین درہم کی لیکن ایک قمیص مجھے دو! مگر جب دیکھا کہ دکاندار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانتا ہے تو اس سے نہیں خریدی۔ دوسری دکان پر تشریف لے گئے، وہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانتا تھا اس سے بھی نہ لیا۔ پھر ایک نوجوان لڑکے کی دکان پر تشریف لے گئے جو آپ کو پہچانتا نہیں تھا اس سے تین درہم کا ایک قمیص خریدا۔ جب اس کا والد دکان پر آیا تو کسی نے اس کو خبر دی کہ تیرے لڑکے نے امیر المؤمنین علی کو تین درہم کی ایک قمیص دی ہے۔ وہ اپنے لڑکے پر بہت خفا ہوا کہ تو نے امیر المؤمنین سے ایک درہم زیادہ کیوں لیا؟ پھر وہ ایک درہم لے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ ایک درہم آپ واپس لے لیں! فرمایا کیوں؟ اس نے عرض کیا، اس قمیص کی قیمت دو درہم ہے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے لڑکے سے خریدی ہے۔ فرمایا:۔

بیع وشراء طرفین کی رضا سے ہو گئی اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(کنز العمال ج ۹ ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ صفحہ ۴،۷، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۳۱۴)

حضرت غزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قصر خورنق میں حاضر ہوا سخت سردی کے دن تھے۔ میں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین اللہ عزوجل نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال کے لئے اس بیت المال میں حصہ مقرر فرمایا ہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نفس کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟ تو فرمایا خدا کی قسم میں پسند نہیں کرتا کہ تمہارے مالوں میں سے کچھ لوں، یہ میرا وہی کھیس ہے جس کو میں مدینہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ (الریاض النضرہ ج ۲، ص ۳۱۴، البدایہ والنہایہ ج ۲، ص ۳)

حضرت حسن بن جرموز اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مسجد کوفہ سے نکلے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر دو کپڑے تھے۔ ایک کپڑا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور تہبند باندھا ہوا تھا اور دوسرا اوپر اوڑھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں درّہ تھا، بازاروں میں تشریف لے گئے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دکانداروں کو اللہ عزّوجل کا خوف، سچ بولنے، کھرا سودا بیچنے، پیمانے کو پورا کرنے اور ترازو کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا۔

(الاستیعاب ج ۲، ص ۸۷۴ الریاض النضرہ ج ۴، ص ۲۰۵، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۳)

حضرت ابوالنورء پارچا فروش فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المؤمنین اپنے غلام قنبر کو ساتھ لئے ہوئے میری دکان پر تشریف لائے اور دو موٹے کپڑے خریدے۔ تو اپنے غلام قنبر سے فرمایا دونوں میں سے جس کو چاہے لو! تو قنبر نے ایک پسند کر کے لے لیا اور دوسرا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لے کر پہن لیا۔ (احمد)

حضرت ابن عباس اور ابو مغر بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تین درہم سے ایک قمیص خریدا جب اس کو پہنا تو کہا: سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ لباس دیا جس سے میں زینت کروں اور اپنے ستر کو چھپاؤں گا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴، ص ۸۰)

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو کوفے کے بازار میں دیکھا کہ دست مبارک میں تلوار لئے ہوئے فرما رہے تھے:۔

کوئی ہے مجھ سے یہ تلوار خریدنے والا ......؟ خدا کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا۔ میں نے کئی بار اس تلوار سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو لڑائیوں کو فتح کیا ہے اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو میں اس کو ہرگز نہ بیچتا۔

(کنز العمال ج ۹ ص ۴۰۹، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۳۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸۳)

حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قمیص کو پیوند کیوں لگاتے ہیں؟

فرمایا اس سے دل نرم رہتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتا ہے۔

(الریاض النضرہ ج ۲، ص ۳۰۷ کنز العمال ج ۶، ص ۴۰۹)

حضرت صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور ان کو چادر میں ڈال کر خود اٹھایا۔ ایک شخص نے کہا اے امیرالمؤمنین لائیے میں اٹھا لیتا ہوں۔ فرمایا میں ہی اس کے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جوتے کو پیوند لگا رہے ہیں۔ میں نے تعجب کیا تو فرمایا کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جوتے اور کپڑے کو پیوند لگا لیا کرتے اور گدھے پر سواری فرما لیا کرتے اور اپنے پیچھے دوسرے کو بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ (احمد)

عبداللہ بن شریک اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا اس کی خوشبو، رنگ

اور ذائقہ کتنا اچھا ہے۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنے نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ عادی نہیں ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰، ۴۱۰، الریاض النضر ہ صفحہ ۳۰، حلیۃ الاولیاء صفحہ ۸۱)

حضرت عبداللہ بن زرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے آگے حریر رکھا۔ میں نے عرض کیا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلامت رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مال ومتاع کی کثرت کی ہے۔ (مطلب یہ کہ اس قدر مال ومتاع کے ہوتے ہوئے عید کے دن یہ؟ (حریر) فرمایا اے عبداللہ!

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ خلیفۃ المسلمین کے لئے خدا کے مال سے دو پیانوں سے زیادہ لینا حلال نہیں، ایک پیانہ تو اس کے اور اس کے اہل وعیال اور دوسرا اس کے مہمانوں کے لئے۔

(الریاض النضر ہ صفحہ ۳۱۳، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۳)

حضرت سوید بن غفار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں دار الامارۃ کوفہ میں حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جو کی روٹی اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا۔ روٹی ایسی خشک تھی کہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اور کبھی گھٹنے پر رکھ کر توڑتے تھے یہ دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا تو میں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی فضہ سے کہا کہ تجھے اس بزرگ پر ترس نہیں آتا۔

ان کے لئے جو چھان کر روٹی پکایا کر! کیا تو نہیں دیکھتی کہ روٹی پر بھوسی لگی ہوئی ہے اور اس کے توڑنے پر ان کو کیسی مشقت ہوتی ہے؟ فضہ نے جواب دیا امیر المؤمنین نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ان کے لئے کبھی بھی چھان کر نہ پکایا کریں۔ یہ سن کر امیر المؤمنین میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابن غفلہ تو اس لونڈی سے کیا کہہ رہا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا کہہ دیا اور التجا کی اے امیر المؤمنین آپ اپنی جان پر رحم فرمایئے اور اتنی مشقت نہ اٹھایئے!

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے سوید! تجھ پر افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اہل وعیال نے کبھی تین دن برابر گیہوں کی روٹی شکم سیر ہو کر نہیں کھائی اور نہ ہی کبھی آپ کے لئے آٹا چھان کر پکایا گیا اور ایک دفعہ میں مدینہ منورہ میں سخت بھوکا تھا تو مزدوری کے لئے نکلا، دیکھا کہ ایک عورت مٹی کے ڈھیلوں کو جمع کر کے ان کو بھگونا چاہتی تھی میں نے اس سے فی ڈول ایک کھجور اجرت طے کی اور سولہ ڈول ڈال کر اس مٹی کو بھگو دیا یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے پھر وہ کھجوریں لے کر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے بھی ان کھجوروں میں سے کچھ کھائیں۔ نہج البلاغۃ میں آپ کا ارشادِ مبارک نقل کیا گیا ہے۔ فرمایا:-

خدا کی قسم! جو تمہاری دنیا ہے یہ میری نظروں میں اس خنزیر کی اوجھڑی جو کسی جذامی کے ہاتھ میں ہو اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (نہج البلاغۃ ج ۳، ص ۲۰۵)

غور وفکر سے کام لینے والے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جس خلافت کا یہ حال ہو کہ نہ پیٹ بھر کر روٹی ملے اور نہ پہننے کو کپڑا اور کاموں کی اس قدر کثرت کہ دن رات آرام نہیں اور دکان، دکان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جانا اور اس پر بھی ہر وقت خوفِ الٰہی وارد کہ کہیں کوئی کام ایسا نہ ہو جائے جو عتابِ الٰہی کا باعث ہو جائے کیا ایسی خلافت کو آدمی شوق سے قبول کر سکتا ہے؟ مگر چونکہ وہ مقدس ترین لوگ اس خدمت دین وخلق کو عبادت سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے قبول کر لیا اور فی الحقیقۃ اس کا حق بھی ادا کیا۔ چنانچہ مسئلہ خلافت میں حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا وہ ارشاد جو فیصلہ کن ہے۔ ہدیۂ قارئین ہے:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر عرض کیا یا امیر المؤمنین! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اس بات کو

اور کوئی نہیں جان سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا اگر آپ نے مجھ سے اس قسم کا کوئی وعدہ فرمایا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو ہرگز منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کھڑے نہ ہونے دیتے اور ان کو قتل کرتا خواہ کوئی میرا ساتھ دیتا یا نہ دیتا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ قتل ہوئے اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اچانک انتقال ہوا بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں چند دن مبتلا رہے جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیماری نے طول پکڑا تو مؤذن نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کے لئے بلایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مقام پر دیکھتے رہے جب دوسری نماز کا وقت آیا پھر مؤذن نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کے لئے بلایا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا۔ انہوں نے نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ سے دیکھتے رہے حالانکہ امّ المؤمنین (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روکا مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ابوبکر ہی کو کہو کہ نماز پڑھائیں پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ہم نے اپنے امور و معاملات میں غور وفکر کیا اور اس شخص کو اپنی دنیا کے واسطے منتخب کیا تھا کیونکہ نماز دین اسلام کی اصل اور جڑ ہے اور آپ دین و دنیا دونوں کے قائم رکھنے والے تھے، لہٰذا ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی اور بلاشبہ وہی اس کے اہل تھے۔ اسی واسطے اس کی خلافت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کوئی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے بے زار ہوا۔

چنانچہ میں نے بھی ان کا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکروں میں شریک ہو کر کفار سے جہاد کیا جو کچھ انہوں نے مجھے عطا کیا میں نے لے لیا اور جہاں

کہیں انہوں نے مجھے بغرض جہاد بھیجا میں گیا اور دل کھول کر لڑا اور ان کے حکم سے حد شرع لگائی پھر جب ان کا وصال ہو گیا تو چونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنا گئے تھے ہم نے ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ کیا تھا۔ جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے اپنے دل میں غور کیا اور اپنی قرابت جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور اسلام میں اپنی سبقت اور اپنے اعمال و فضائل پر نظر کی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب حضرت عمر میرے برابر کسی کو نہیں خیال فرمائیں گے لیکن انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں میں ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنا جاؤں جس کا انجام اچھا نہ ہو۔ اسی خیال سے انہوں نے اپنے بیٹے کو خلافت سے محروم کر دیا ورنہ ان کے بیٹے سے بڑھ کر خلافت کا کون مستحق ہو سکتا ہے؟ چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب خلافت کا مسئلہ قریش کے چھ آدمیوں کے ہاتھ میں تھا چنانچہ ان چھ آدمیوں کی جماعت انتخابِ خلافت کے لئے بیٹھی اور آپس میں یہ عہد کیا کہ جو خلیفہ منتخب ہو جائے اس کی اطاعت کی جائے اس وقت بھی میرے دل میں خیال تھا کہ یہ مجھ سے دریغ نہ کریں گے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے غور و فکر کے بعد حضرت عثمان بن عفان کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی چنانچہ ان کے ساتھ بھی میں اسی طرح پیش آیا۔ جس طرح ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہو گئی تو میں نے خیال کیا کہ وہ دونوں خلیفہ جن کی خلافت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''صلوٰۃ'' کے ساتھ عہد لیا تھا گزر گئے اور جن کے لئے مجھ سے اطاعت کا وعدہ لیا تھا وہ بھی چل بسے لہٰذا میں نے بیعت لینا شروع کر دیا چنانچہ اہل حرمین شریف اور اہل بصرہ و کوفہ نے مجھ سے بیعت کر لی ہے۔ اب اس معاملہ خلافت میں ایک شخص میرا مقابل بن گیا ہے جو نہ تو قرابت میں میرے مثل ہے نہ علم و فضل میں نہ سبقت اسلام وغیرہ میں بلاشبہ ہر حالت میں مَیں اس سے زیادہ مستحقِ خلافت ہوں۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۷)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر

خطبے میں فرماتے رہتے ہیں الٰہی ہم کو بھی ایسی ہی صلاحیتیں عطا فرما جیسے تو نے اپنے خلفاء راشدین و مہدیین کو عطا فرمائی تھیں۔ وہ خلفاء راشدین کون ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اور فرمایا وہ میرے حبیب ابوبکر و عمر تھے۔ وہ دونوں ہدایت کے امام اور شیخ الاسلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قریش کے مقتدا تھے جس شخص نے ان دونوں کی اقتداء کی اس نے نجات پائی اور جس نے اس راہ میں ثابت قدمی اختیار کی وہ اللہ کی جماعت میں ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۹)

امیر المؤمنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ان فیصلہ کن ارشادات کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر وہ شخص جو حب علی کا دعویدار ہے اسے فرمانِ علی کو دل و جان سے تسلیم کرنا چاہیے۔ الحمد للہ ہم اہل سنت و جماعت حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق کی ''الف'' سے حضرت سیّدنا علی کی ''ی'' تک تمام صحابہ کرام کو مانتے ہیں اور ان کو صداقت و عدالت اور دیانت و امانت کا پیکر تسلیم کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش و رحمت اور رضا کا مژدہ سنایا اور ان سے بھلائی کا وعدہ فرمایا بلکہ بھلائی اور محبت کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کو بھی اپنی رضا کی نوید عطا فرمائی ہے۔ اسی لئے بفضلہٖ تعالیٰ ہم صحابۂ کرام اور اہل بیت نبوت کی محبت کو عین ایمان اور ان کی اتباع کو موجب رضائے رحمٰن جانتے ہیں۔

حضرت علی مرتضٰی مولائے مشکل کشا' صاحب ذوالفقار' حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان تمام کی گنجائش نہیں۔ آپ آٹھ برس اور بقول بعض دس برس کی عمر میں اسلام لا کر ان لوگوں میں شمار ہوئے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کے لئے جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ سیّدہ نساء العالمین خاتون جنت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد ماجد ہیں۔

سادات کرام اور اولاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلسلہ پروردگار عالم نے

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاری فرمایا۔ سلسلۂ ولایت و خلافت کے معدن ومخزن بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ کروڑوں اولیاء، غوث، قطب، ابدال، آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہیں۔ عرب و عجم، بحر و بر میں آپ کے فضل و کمال اور آپ کی شجاعت و بہادری کا شہرہ عام ہے۔ آج بھی آپ کے نام نامی واسم گرامی کی ہیبت اور دبدبے سے بڑے بڑے بہادرانِ جہاں کانپ جاتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ آپ شیر خدا ہیں۔

شاہِ مرداں شیر یزداں قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

شہادت مولا علی

جنگ نہروان میں جب سینکڑوں خارجی امیر المؤمنین حضرت علی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے تو ان کے اندر آپ کے خلاف سخت نفرت اور بغض وعناد پیدا ہو گیا تھا اور ان کے وہ افراد جو اس جنگ میں اپنی جانیں بچا کر بھاگے تھے ان کو اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کے قتل ہونے کا بے حد رنج اور افسوس تھا۔

وہ ان کو یاد کر کے دھاڑیں مار مار کے روتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض آدمی مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ مشورہ کیا کہ علی، معاویہ اور عمرو بن عاص ان تینوں کی وجہ سے مسلمانوں میں لڑائیاں جھگڑے ہیں لہٰذا ان تینوں کو قتل کر کے لوگوں کو ان کے ظلم سے نجات دلائی جائے۔ (معاذ اللہ) چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی اور برکف بن عبداللہ تیمی و عمرو بن بکر التمیمی نے بالترتیب حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت عمرو کے قتل کرنے کا ذمہ لیا اور یہ عہد کیا کہ ایک ہی رات میں ان تینوں کو قتل کر دیا جائے۔ سترہ رمضان کی تاریخ اپنے ناپاک مقصد کے پورا کرنے کے لئے طے کر کے یہ تینوں نکلے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قتل کا ذمہ لیا تھا کوفے میں آیا اور ایک ہزار درہم میں ایک تلوار خریدی اور اس کو زہر کا بجھاؤ دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں آنے جانے لگا۔ آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو دیکھتے تو فرماتے:۔

میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرا قتل چاہتا ہے۔

چنانچہ عبدالعزیز العبدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ابن ملجم شقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک سواری طلب کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری دے کر یہ شعر پڑھا:۔

میں تو اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ فرمایا، بے شک یہی میرا قاتل ہے۔

کسی نے عرض کیا پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے قتل سے کون سی چیز مانع ہے۔ فرمایا یہ کہ پھر وہ مجھ کو قتل نہیں کر سکے گا۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۴۸۳، شمس التواریخ ج ۴ ص ۱۲۷۴)

حضرت عبداللہ بن سبع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برسر منبر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت کا بدبخت کیا انتظار کر رہا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور آدمی کو پیدا کیا ہے۔ مجھے ابوالقاسم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ یہ داڑھی (آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کے تلوار مارنے سے رنگین ہو گی! لوگوں نے عرض کیا یا امیرالمومنین ہمیں بتائیے کہ وہ کون ہے؟ فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ میرے بعد میرے قاتل کے سوا کسی اور کو نہ مارنا!

(الریاض النضرہ ج ۲ ص ۳۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۱۹، شمس التواریخ ج ۴ ص ۱۲۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا یہ تمہاری داڑھی جب خون سے رنگین ہو جائے گی تو تم کیسے صبر کرو گے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہونے والی بات میرے لئے ثابت ہو چکی ہے تو صبر کا مقام نہیں بلکہ وہ تو خوشی اور بزرگی کا مقام ہے۔

چنانچہ ایک روز ابن ملجم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آ رہا تھا کہ راستے

میں اس کی نظر ایک خارجی عورت قطامہ نامی پر پڑی جو کہ بڑی خوبصورت اور جوان تھی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ابن ملجم نے اس سے اپنے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے کہا جانتے ہو میرا مہر کیا ہے؟ ابن ملجم نے پوچھا تو قطامہ نے کہا تین ہزار دینار اور علی کا قتل! (وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خون کی اس وجہ سے پیاسی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہروان کی لڑائی میں اس کے باپ اور بھائیوں کو قتل کیا تھا) ابن ملجم نے کہا خدا کی قسم تو نے ایسی چیز طلب کی ہے جس کے لئے میں اس شہر میں آیا ہوں، کہنے لگی تو علی کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سمجھ لے کہ نجات پا گیا اور تجھے وہ چیز حاصل ہو جائے گی جو تو چاہتا ہے اور پھر عیش کی زندگی ہو گی اور تجھے مہر میں بھی رعایت ہو جائے گی۔ ابن ملجم اور اس عورت کے درمیان اس شرط اور مہر پر نکاح کا عہد ہو گیا چنانچہ فرزدق نے کہا ہے:-

ایسا مہر کسی جوان مرد نے نہ دیکھا ہو گا، جیسا کہ قطامہ کا مجمل مہر تھا۔ یعنی تین ہزار درہم اور ایک غلام کا حضرت علی کو شمشیر براں سے قتل کرنا، حضرت علی کے قتل سے بڑھ کر گراں قدر .... مہر کوئی نہیں ہو سکتا اور نہ ابن ملجم کے اس قتل سے بڑھ کر کوئی قتل ہو سکتا ہے۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۶۸، ج ۳، ص ۱۷۹، طبری ج ۶، ص ۸۷)

جس رمضان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اس رمضان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستور یہ تھا کہ ایک شب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اور ایک شب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اور ایک شب حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس گزارتے اور افطار فرماتے اور تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ فرماتے مجھے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملوں کہ میرا پیٹ خالی ہو۔

اور اب تو ایک دو رات کا معاملہ رہ گیا ہے۔

(ابن اثیر ج ۳، ص ۱۲۸، کنز العمال ج ۶، ص ۴۱۱)

جس رات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اس رات آپ بار بار مکان سے

باہر تشریف لاتے اور آسمان کی طرف نظر کر کے فرماتے واللہ یہ تو وہی وعدے کی رات ہے جب سحری کے وقت بیدار ہوئے تو اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آج رات میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے آپ کی امت سے آرام نہیں پایا فرمایا ان پر دعا کرو! تو میں نے یوں کہا:-

اے اللہ مجھے ان کے بدلہ میں ان سے بہتر عطا فرما اور انہیں میرے بدلہ میں مجھ سے برا دے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرما رہے تھے کہ مؤذن نے اذان کہہ دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے نکلے اور لوگوں کو نماز کے لئے آواز دیتے ہوئے چلے۔

(الریاض النضرہ ج ۲، ص ۳۲۸، الاستیعاب ج ۲، ص ۴۸۳، ابن اثیر ج ۳، ص ۱۲۸، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۲)

حضرت حسن بن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد سے بیان فرماتے ہیں کہ جب نماز کے لئے گھر سے نکلنے لگے تو بطخیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آ کر زور زور سے چلانے لگیں ہم ان کو ہٹانے لگے فرمایا ان کو چھوڑ دو یہ نوحہ کر رہی ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے۔ مسجد میں وہ بدبخت ملعون ابن ملجم چھپا ہوا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ اس کے قریب سے گزرے اور بقول بعض آپ مشغول بہ نماز ہوئے تو اس شقی ازلی نے اس زور سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلوار ماری کہ آپ کا چہرۂ مبارک کنپٹی تک کٹتا چلا گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ اس بدبخت پر چاروں طرف سے لوگ دوڑے اور اس کو گرفتار کر لیا۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۳۲، ابن اثیر ج ۳، ص ۱۲۸، شمس التواریخ ج ۴، ص ۱۲۸۰)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ دو آدمی سب سے زیادہ شقی و بدبخت

ہیں ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور دوسرا وہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا اور تیری داڑھی خون سے تر ہو جائے گی۔

(المستدرک حاکم ج ۳،ص ۱۴۱، الریاض النضرہ ج ۲،ص ۲۰۴، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲۲، کنز العمال ج ۶،ص ۳۳۹، البدایہ والنہایہ ج ۶،ص ۲۱۸)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ خبردار میری شہادت کی وجہ سے مسلمانوں میں کشت وخون نہ ہونے پائے جان کا بدلہ جان ہے، اگر میں وفات پا جاؤں تو میرے قاتل کے سوا کسی اور کو نہ مارنا اور اسے ایک ہی ضرب لگانا، ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مثلہ کرنے سے بچو! اگرچہ کاٹ کھانے والا کتا ہی کیوں نہ ہو اور اگر میں زندہ رہا تو مجھے اس کے بخشنے اور بدلہ لینے میں اختیار ہوگا، پھر میں اپنی رائے کو دیکھوں گا۔

(الریاض النضرہ ص ۳۳۲، ابن اثیر ج ۳،ص ۱۶۹)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات شریف کا وقت قریب آ گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلا کر وصیت فرمائی:۔

یہ وہ وصیت ہے جو علی بن ابی طالب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھائی اور ان کے ابن عم اور ان کے صاحب نے کی ہے پہلی تو یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے برگزیدہ ہیں، اس نے اپنے علم سے ان کو رسالت کے لئے چن لیا اور اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پسند کیا اور جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا اور ان کے مال کی پرسش فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے اس کو وہ جانتا ہے اس کے بعد اے حسین میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں اور میری وصیت تجھ کو کافی ہے اور یہ وہی وصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو کی ہے پس جب کہ حالات ایسے ویسے ہوں تو گھر میں رہ اپنے معاصی پہ رویا کر، اے فرزند میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ نماز وقت پر ادا کر، جب تو زکوٰۃ دے تو اس کے مستحق کو دے، جب کوئی امر مشتبہ ہو تو اس میں ساکت رہ، خوشی اور غم کی حالت میں میانہ روی اور عدل اختیار کر، ہمسایہ کے ساتھ نیکی کر،

مہمان کی توقیر و تکریم کر، کمزوروں اور مصیبت زدہ لوگوں پر رحم کر، صلہ رحمی بجا لا، مسکینوں سے محبت کر اور ان کے پاس بیٹھا کر، تواضع اختیار کر کہ یہ افضل عبادت ہے، موت کو یاد کر، زُہد اختیار کر، اس لئے کہ تو موت سے چھوٹ نہیں سکتا، دنیا بلاؤں اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا مقام ہے۔ خَلوَت وجَلوَت میں اللہ تعالیٰ سے ڈر، ہر قول و فعل کو شریعت کے مطابق کر جب کوئی چیز امور دنیا میں سے تجھ کو پیش آئے تو اس میں تامل و تحقیق کر یہاں تک کہ اس میں تیرے لئے بھلائی ہو، ایسے مقامات کہ جہاں تہمت کا اندیشہ ہو اور ایسی مجلسوں جن میں برائی کا گمان ہو نہ جایا کر، اس واسطے کہ جو شخص خود برا ہے وہ اپنے ہم مجلس کو بھی بگاڑ دیتا ہے۔ اے میرے فرزند تو اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خاص اور خالص کر، گنہگار کو تنبیہ کر اور اچھی بات کا حکم کر اور بری باتوں سے منع کر، بھائیوں سے خدا کی راہ میں دوستی کر اور صالح شخص کو بسبب اس کی نیکی کے دوست رکھ، فاسق سے کنارہ کر اور دل میں اس کو برا سمجھ اور اپنے اعمال میں اس سے علیحدہ رہ تا کہ ایسا نہ ہو کے تو بھی اس کے مثل ہو جائے، بازاروں میں نہ بیٹھا کر، بیوقوفوں سے بحث و حجت نہ کر اور نہ ان کو دوست رکھ، اپنی معاش اور لباس میں میانہ روی اختیار کر، عبادت مسنونہ میں سے اسی کو اختیار کر جس کے ادا کرنے کی تجھے طاقت ہو اور پھر اس کو ہمیشہ قائم رکھ۔ سکوت کو اپنے اوپر لازم کر تا کہ تجھے غنیمت حاصل ہو، ہر حال میں خدا کو یاد کر، تیرے عزیز و اقارب میں جو چھوٹے ہوں ان پر شفقت کر اور جو بڑے ہوں ان کی عزت کر، جب کھانا کھانے لگے تو پہلے اس میں سے صدقہ دے دیا کر، روزہ رکھنا اپنے اوپر لازم کر لے اس لئے کہ وہ بدن کی زکوٰۃ ہے اور روزہ دار کی سپر ہے۔ اپنے نفس سے جہاد کر، ہم نشین سے ہوشیار رہ اور دشمن سے اجتناب کر، ایسی مجلسوں کو اختیار کر جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہو۔ دعا زیادہ کیا کر، اے فرزند میں نے تجھے نصیحت کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی، اب میرے اور تیرے درمیان جدائی ہوتی ہے۔ میں تجھے تیرے بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تیرے باپ کا بیٹا ہے اور مجھے جس قدر اس سے محبت ہے تو

جانتا ہے اور تیرا بھائی حسین وہ تیرا ہم بطن بھائی ہے، تیری ماں اور تیرے باپ دونوں کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بعد تمہارا نگہبان ہے۔ میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ تمہارے کاموں کی اصلاح کرے اور سرکشوں اور باغیوں کے شر سے تمہیں بچائے (آمین) بیٹا صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (نور الابصار صفحہ ۱۱۷)

حضرت صعصعہ بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت بد بخت ابن ملجم نے تلوار سے آپ کو سخت ضرب لگائی سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا:۔

تو ہم نے عرض کیا یا امیر المؤمنین ہم پر خلیفہ مقرر فرما دیجئے۔ فرمایا میں تمہیں اسی طرح چھوڑتا ہوں جس طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا کیونکہ ہم نے بھی عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ہم پر خلیفہ مقرر فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں کون بہتر ہے اور وہ تمہارے بہتر ہی کو تم پر مقرر فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پس اللہ نے ہم میں بہتر حضرت ابوبکر کو جانا اور ان کو ہم پر مقرر فرما دیا۔ (المستدرک حاکم صفحہ ۱۴۵، کنز العمال ج ۶، ص ۴۱۱)

حضرت عمرو بن ذی مر فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آخری وقت حاضر ہوا، آپ اپنے سر کو پٹکا باندھے ہوئے وصیت فرما رہے تھے، جب وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا:۔

سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں اب میں تم سے جدا ہوتا ہوں تو پردہ سے حضرت اُم کلثوم کے رونے کی آواز آئی۔ فرمایا بیٹی چپ رہو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اگر تم دیکھتیں تو ہرگز نہ روتیں، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ فرشتوں کی جماعت اور انبیائے کرام اور یہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں اے علی! تمہیں بشارت ہو کہ تم اس حالت سے بہترین حالت کی طرف لوٹنے والے ہو! (شمس التواریخ ج ۴، ص ۱۲۸۴)

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی کلام نہ فرمایا سوائے کلمہ توحید کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کو قبض کر لیا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

حضرت حسنین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں اور کوفہ کے دارالامارت میں رات کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر لوگوں نے ابن ملجم کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹے اور ایک ٹوکری میں ڈال کر آگ لگا دی اور وہ فنا فی النار ہو گیا۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۳۲)

حضرت ابن ابی حمزہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا:۔

اے اہل عراق کل تم میں ایک ایسا مردِ کامل تھا جس کو رات میں شہید کر دیا گیا اور آج وہ خدا کے پاس پہنچ گیا۔ علم کے ساتھ جس سے پہلے لوگوں نے سبقت نہیں کی اور پچھلے اس کو پہنچ نہیں سکتے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو فوج کا سردار بنا کر بھیجا کرتے تو جبریل ان کے داہنی طرف اور میکائیل ان کے بائیں طرف ہوتے تھے جب تک خدائے تعالیٰ ان کو فتح نہیں دیتا تھا وہ واپس نہیں ہوتے تھے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۱۲، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۵)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک آہ بھری اور فرمایا:۔

اب عرب جو چاہے سو کرے اب اس کا کوئی خصم نہیں رہا۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۴۸۲، الریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۳۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا:۔

حضرت علی کی موت سے اور حکمت جاتی رہی۔ (استیعاب ج ۲ ص ۴۷۶)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حسرت آیات پر ابوالاسود الاوئلی نے یہ شعر کہے:-

اے آنکھ تجھ پر افسوس ہے کہ تو میری موافقت کرتے ہوئے امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیوں نہیں روتی؟

ان پر امّ کلثوم رو رہی ہیں اور آنسو بہا رہی ہیں اور بے شک انہوں نے یقین جان لیا ہے۔

خوارج جہاں کہیں ہوں ان سے کہہ دو کہ ہمارے حاسدوں کی آنکھ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔

کیا رمضان کے مبارک ماہ میں ہی ہم کو ناقابل برداشت غم دینا تھا ایسے بہترین شخص سے جدا کر کے۔

اور تم نے اس شخص کو قتل کیا ہے جس میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں اور جس سے اللہ ربّ العالمین کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محبت رکھتے تھے۔

اگر ابوالحسین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ تیرے سامنے آ جاتا تو دیکھتا کہ وہ چودھویں کا چاند ہے۔

ہم ان کی شہادت سے پہلے خیروبرکت کے ساتھ تھے کیونکہ ہم اپنے اندر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوست دیکھتے تھے۔

وہ حق قائم کرتے تھے جس میں ذرہ بھی شک وشبہ نہیں کیا جاتا تھا اور وہ دوست و دشمن کے ساتھ برابر عدل کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھو کر لوگ ایسے ہو گئے ہیں جیسے شترمرغ قحط سالی میں مارا مارا پریشان پھرتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۲)

مولائے کائنات سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت سے تمام اہل اسلام کو سخت صدمہ ہوا اور کیوں نہ ہوتا وہ رسول اللہ کے پیارے بھائی اور صحابی تھے۔ دختر رسول سیّدہ بتول کے شوہر تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے محسن اور چوتھے امیر تھے۔ ان کی خلافت ؟

خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوت تھی جس کی مدت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیس برس بیان فرمائی اور وہ تیس برس سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ پر مکمل ہوئے۔ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان کی حسنات بیش بہا اور بے شمار ہیں جن سے رہتی دنیا تک لوگ فیض یاب ہوں گے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص خلفائے اربعہ کے حالات پڑھ کر بخوبی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ان چاروں یارانِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم) نے اپنے اپنے دور خلافت میں قرآن و سنت کی بقاء اور فروغ کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے انہی کی بدولت گلشن اسلام سرسبز و شاداب اور پر بہار ہے۔

خوشبو سے ہے بسی ہوئی اسلام کی فضا — کیسے مہک رہے ہیں خلافت کے چار پھول
اللہ نے دیئے ہیں محمد سے پائیں ہیں — ہادی ہمارے ہیں یہ ہدایت کے چار پھول
دربارِ چار یار میں جاتا ہوں شاد شاد — دامن میں لے کے حسن عقیدت کے چار پھول
پہچانی عظمت ان سے خدا اور رسول کی — ہیں یہ ہمارے واسطے رحمت کے چار پھول

سب باغ باں نبی ہوں، صحابہ ہوں حُسنِ باغ
اسلام کی بہار، خلافت کے چار پھول

رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ

قبر انور کہاں ہے

اس بارے میں چند اقوال ہیں، حضرت شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد اطہر کو دارالامارۃ کوفہ سے منتقل کر کے مدینہ پہنچا دیا اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا کی قبر کے متصل دفن کیا۔ (مسعودی)

چنانچہ محمد بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی شخصیت جس کو ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کیا گیا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

(تاریخ الخلفاء، شمس التواریخ ج ۵ ص ۲۹۰)

حضرت سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد انور کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چلے تا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دفن کریں ایک جگہ رات گزارنے کے لئے ٹھہرے تو وہ اونٹ کہیں بھاگ گیا اور اس کا کوئی پتہ نہ چلا اور بعض کہتے ہیں کہ تلاش کرنے پر وہ طے کے کسی شہر میں مل گیا تھا۔ اس لئے آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

(ابن عساکر، ابونعیم)

ابن سعد طبقات میں فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں مدفون ہیں۔ ابن جوزی نے روایت کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجف میں مدفون ہیں جہاں مرقد علی آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حافظ ابوعبداللہ نے اپنے استاد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھ کو ایک تخت پر رکھ کر نجف اشرف میں لے جانا، وہاں تم دونوں ایک سفید پتھر دیکھو گے جس میں نور چمکتا ہو گا، پھر اس مقام پر زمین کھودنا زمین کھودتے ہوئے تم ایک تختہ پاؤ گے، وہ میری قبر ہے، لہٰذا مجھے وہیں دفن کر دینا۔

(حاکم، شمس التواریخ ج ۴، ص ۱۲۹۰)

علامہ دمیری حیٰوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید شکار کھیلنے کے لئے نکلا، اس نے اپنے چیتوں کو شکار پر چھوڑا۔ شکار دوڑا ایک قبر کے پاس جا کر ٹھہر گیا، چیتے بھی قبر سے دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ہارون رشید اس بات سے سخت حیران ہوا کہ اتنے میں ایک شخص آ گیا۔ جس کو حالات معلوم تھے۔ اس نے کہا امیر المؤمنین! یہ قبر انور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔ ہارون رشید نے کہا تجھے کیونکر معلوم ہے۔ اس نے کہا میرا باپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے اور امام محمد باقر اپنے والد ماجد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس قبر انور کی زیارت کو آتے تھے اور امام زین العابدین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو اس کا پورا علم حاصل تھا۔ ہارون رشید نے حکم دے کر وہاں ایک پتھر کا کتبہ لگوا دیا۔ یہ پہلی تعمیر تھی جو نجف اشرف میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور پر بنائی گئی۔ اس کے بعد سلاطین سامانیہ کے عہد دولت میں وہاں بہت سی عمارتیں بنائی گئیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ کے مدفن کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ (تاکہ خارجی لوگ بے حرمتی نہ کریں)

(الریاض النضرہ ج ۲، ص ۳۴۰ واللہ تعالیٰ اعلم)

ساقیء کوثر امام و رہنما
ابنِ عمّ مصطفیٰ شیرِ خدا
مرتضیٰ و مجتبیٰ جفتِ بتول
خواجۂ معصوم دامادِ رسول

(عطّار)

مولا علی کے ارشاداتِ مبارکہ

آخر میں امیر المؤمنین امام المتقین، سیّد السادات مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چند ارشاداتِ عالیہ ہدیۂ قارئین ہیں۔ یہ ارشادات بلاشبہ دریائے علم و عرفان کے بے نظیر موتی اور آسمان رشد و ہدایت کے چمکتے ہوئے تارے ہیں جن کی روشنی میں چلتے ہوئے انسان کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اور اپنے اخلاق پاکیزہ ترین بنا سکتا ہے۔

(1) علم ایک ایسی وراثت ہے جو بہت ہی بزرگ ہے، آداب و اخلاق تازہ بہ تازہ زیور ہیں اور غور و فکر ایک صاف و شفاف آئینہ ہے۔

(2) احتیاج عقل مند آدمی کو دلیل و محبت بیان کرنے سے گونگا بنا دیتی ہے۔

(3) صبر شجاعت ہے، زہد ثروت ہے اور پرہیزگاری سپر ہے۔

(4) بشاش اور خوش رو رہنا دوستی و محبت کا حال ہے۔

(5) صدقہ دینا ایک کامیاب دوا ہے۔

(6) جس وقت تو دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہو جائے تو اس کو اسی شکریہ میں معاف کر دے کہ تجھے اس پر سبقت حاصل ہو گئی۔

(7) جب تمہیں نعمتوں کے گوشے مل جائیں تو ناشکرے بن کر نعمتوں کی انتہا کو دور نہ کرو۔

(8) فرصت کا زمانہ بادلوں کی طرح گزر جاتا ہے لہٰذا فرصت میں عمل خیر کی طرف سبقت کرو۔

(9) بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ درماندہ و غمگین لوگوں کی فریادرسی کی جائے اور مصیبت زدہ لوگوں کو مسرور اور خوش کیا جائے۔

(10) شریف ترین بے نیازی یہ ہے کہ اپنی آرزوؤں کو ترک کر دیا جائے۔
(11) جس نے آرزوؤں کو طویل کیا اس نے عمل کو خراب کیا۔
(12) وہ برائی جو تجھے نادم و پشیمان کر دے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس نیکی سے بہتر ہے جو تجھے تکبر و غرور میں مبتلا کر دے۔
(13) کریم کی سطوت سے ڈرو جب کہ وہ بھوکا ہوا اور بخیل ولیئم کے حملے سے ڈرو جب کہ وہ شکم سیر ہو۔
(14) لوگوں میں افضل وہ معاف کرنے والا ہے جو انتقام لینے پر سب سے زیادہ قادر ہے۔
(15) سخاوت یہ ہے کہ سائل کے سوال سے پہلے دیا جائے وہ عطا جو سوال کرنے پر ہو وہ سخاوت نہیں بلکہ وہ حیا اور لوگوں کی ملامت کے ڈر سے ہے۔
(16) کوئی بے نیازی عقل کے برابر اور کوئی احتیاج جہالت کے برابر اور کوئی میراث ادب کے برابر اور کوئی مددگار باہم مشورہ کے برابر نہیں۔
(17) صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو چیز طبیعت کو ناگوار ہو اس پر صبر کرے۔ دوسری یہ کہ جو چیز محبوب ہو اس کے حاصل نہ ہونے پر صبر کرے۔
(18) قناعت وہ مال ہے جو نیست ہونے والا ہے۔
(19) مال تمام خواہشات کی بنیاد ہے۔
(20) عورت ایک ایسا بچھو ہے جس کا کاٹنا نہایت شیریں ہے۔
(21) دوستوں کا مفقود ہو جانا غربت ہے۔
(22) جب عقل کامل ہو جاتی ہے کلام کم ہو جاتا ہے۔
(23) جاہل کو نہیں دیکھو گے مگر یا تو افراط میں یا تفریط میں۔
(24) تھوڑی بخشش کرنے سے شرم نہ کر کیونکہ سائل کو بالکل محروم کر دینا تو اس سے بھی کم ہے۔
(25) اگر کسی سے ایسی چیز کا سوال کیا جائے جسے وہ نہ جانتا ہو تو وہ اپنی لاعلمی کے

اعتراف واقرار میں ہرگز شرم نہ کرے۔ (یعنی صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا) اور جو شخص جس چیز کو نہیں جانتا وہ اس کے حاصل کرنے میں بھی ہرگز شرم نہ کرے۔

(26) نیکی و بھلائی یہی نہیں ہے کہ تیرا مال و اولاد زیادہ ہو جائے بلکہ نیکی و بھلائی یہ ہے کہ تیرا علم وحلم زیادہ ہو جائے اور تو اپنے ربّ کی عبادت کے ساتھ لوگوں میں قابل فخر ہے۔

(27) بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوست وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا ہے۔ اگرچہ بہ لحاظ جسمانی رشتہ کے دور ہو اور بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دشمن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اگرچہ بہ لحاظ رشتہ داری بہت ہی قریب ہے۔

(28) ایک زمانہ لوگوں پر آئے گا جس مین برے لوگ بادشاہوں کے مقرب ہوں گے۔ فاسق و فاجر لوگ دانا و خوبصورت سمجھے جائیں گے۔ منصف و عادل کو کمزور و ضعیف کر دیا جائے گا۔ صدقہ دینا تاوان سمجھیں گے۔ صلۂ رحم کر کے احساس جتائیں گے۔ بادشاہ عورتوں کے مشورے پر چلے گا۔ امارت وحکمت لڑکوں کی اور تدبیر ہیجڑوں کی سی ہوگی۔

(29) دنیا وآخرت دشمن اور متفاوث ہیں۔ دونوں کے راستے مختلف ہیں تو جس نے دنیا کو بہت زیادہ محبوب رکھا اور اسی سے دوستی کی اس نے آخرت کو دشمن بنایا اور اس سے عداوت کی اور یہ دونوں (دنیا وآخرت) مشرق ومغرب کی مانند ہیں اور چلنے والا ان کے درمیان ہے۔ اب جس قدر ایک طرف سے قریب ہوگا اسی قدر دوسری طرف سے دور چلا جائے گا۔

(30) بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر فرائض کو لازم کیا ہے تو انہیں ضائع نہ کرو اور تمہارے لئے حدود مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جن اشیاء سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہو اور جن اشیاء سے خاموشی عطا فرمائی ہے ان کو نسیان کی وجہ سے نہیں

چھوڑا (بلکہ وہ اشیاء مباح ہیں کرو یا نہ کرو، ہاں) ان کے بارے میں تکلیف نہ اٹھاؤ۔

(31) اس انسان کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو عجیب وغریب ہے اور وہ دل ہے اور اس کے لئے حکمت کا سواد ہے اور بعض دل حکمت سے خالی ہوتے ہیں! تو اگر اسے کسی چیز کی امید ہو تو طمع اسے ذلیل کر دیتی ہے اور اگر طمع کا ہیجان ہو تو حرص اسے ہلاک کر دیتا ہے اور اگر یاس اس پر مسلط ہو جائے تو تاسف اور افسوس اسے مار ڈالتا ہے۔ اگر غضب اسے عارض ہو تو ناکیاں شدید ہو جاتی ہیں اگر خوشی وخرمی اس کی مساعدت کرے تو وہ بیداری اور ہوشیاری کو فراموش کر دیتا ہے۔ اگر ناگہاں اسے خوف لاحق ہو جائے تو وہ خوف اسے روگرداں کر دیتا ہے اگر امن اس کے واسطے وسیع ہو تو غرور اسے اڑا لے جاتا ہے۔ اگر کوئی مصیبت اس پر پڑ جائے تو آہ وزاری اسے رسوا کر دیتی ہے اگر کسی مال کو حاصل کرے تو یہ تونگری اسے گمراہ کر دیتی ہے۔ اگر فقر وفاقہ کے دانت اسے کاٹ کھائیں تو بلا اسے (جملہ امور سے) روگرداں کر دیتی ہے۔ اگر بھوک کی تکلیف ہو تو ضعف اسے بٹھا دیتا ہے اگر شکم سیر ہو کر حد سے گزر جائے تو شکم سیری بھی اسے تکلیف دیئے بغیر نہیں رہتی لہٰذا ہر ایک تقصیر اور کمی اسے نقصان پہنچانے والی ہے اور ہر ایک افراط (حد سے تجاوز) اسے فساد میں ڈالنے والی ہے۔

(32) جو شخص اہل بیت کو محبوب رکھتا ہے اس کو فقر کا لباس پہننے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

(33) اللہ سبحانہ کے حکم کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو خلقت کے ساتھ بہ مدارات پیش آئے اور اس کا مطیع نہ ہو اور طمع کی پیروی کرنے والا نہ ہو۔

(34) کوئی مال عقل سے زیادہ نفع بخش نہیں کوئی تنہائی تکبر سے زیادہ وحشت ناک نہیں۔ کوئی عقل مندی تدبر وتدبیر کے برابر نہیں۔ کوئی بزرگی تقویٰ و پرہیز گاری کے برابر نہیں۔ کوئی مصاحب حسن اخلاق جیسا نہیں۔ کوئی میراث ادب کے برابر

نہیں۔ کوئی پیش رو توفیق خداوندی کے برابر نہیں۔ کوئی تجارت عمل صالح کے برابر نہیں۔ شہادت کے وقت ٹھہر جانے سے عمدہ کوئی پرہیز گاری نہیں۔ محرمات سے بچنے کے برابر کوئی زہد نہیں اور کوئی علم تفکر کے برابر نہیں، کوئی عبادت فرائض کی ادائیگی کے برابر نہیں۔ کوئی ایمان حیا و صبر کے برابر نہیں۔ کوئی حسب (بزرگی) تواضع کے برابر نہیں، کوئی شرف علم اور کوئی عزت حلم کے برابر نہیں، کوئی معاون و مددگار مشورہ کرنے سے زیادہ مضبوط نہیں۔

(35) بہت سے صاحب جاہ شرف ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے مگر وہ نافرمانی کرتے ہیں بہت سے اسی بات پر مغرور ہیں کہ اللہ نے ان کی پردہ پوشی کر رکھی ہے بہت سے اس بات پر مفتون ہیں کہ لوگ ان کی شان میں نیک اقوال بیان کرتے ہیں خوب یاد رکھو اللہ نے ہر ایک کو مہلت دی ہے اور آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔

(36) دنیا کی مثال اس سانپ کی سی ہے جو چھونے سے تو ملائم و نرم معلوم ہوتا ہے مگر اس کی کچلیوں میں زہر بھرا ہوا ہے جو قاتل و مہلک ہے۔ فریب زدہ جاہل تو اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور عقل مند دانا انسان اس سے بچتا ہے۔

(37) دو کاموں میں کسی قدر فرق ہے ایک کام تو وہ ہے جس کی لذت فنا ہو جاتی ہے اور تکلیف باقی رہتی ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے اور اجر و ثواب باقی رہتا ہے۔

(38) مجھے غرور و تکبر کرنے والے کی حالت پر سخت تعجب ہے کہ وہ کل تو ایک قطرۂ منی تھا اور بروز فردا ایک مردار ہو جائے گا اور اس شخص پر بھی سخت تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک کرتا ہے حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق کو دیکھ رہا ہے اور اس شخص پر بھی سخت تعجب ہے جو اپنی موت کو بھول بیٹھا حالانکہ وہ مرنے والوں کو دیکھتا ہے اور اس پر بھی سخت تعجب ہے جو فانی گھر کی تعمیر میں مصروف ہے اور باقی رہنے والے مکان کو چھوڑے ہوئے ہے۔

(39) علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال کی حفاظت تجھے کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

(40) علم، دین (کا علم) ہے اسی علم کے سبب انسان اپنی زندگی میں اطاعت الٰہی حاصل کرتا ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کا ذکر خیر ہوتا ہے علم حاکم ہے اور مال محکوم علیہ ہے۔ مال جمع کرنے والے مصائب میں گرفتار ہیں حالانکہ وہ دنیا میں زندہ ہیں اور علماء باقی رہیں گے جب تک زمانہ باقی ہے اگرچہ ان کے جسم مفقود ہو جائیں گے مگر ان کی باتیں دلوں میں موجود رہیں گی۔

(41) ان لوگوں میں سے نہ ہو جو بغیر عمل کے آخرت میں بخشش کی امید رکھتے ہیں اور امید پر بھروسہ کرتے ہوئے توبہ میں تاخیر کرتے ہیں۔ دنیا کے بارے میں باتیں تو زاہدوں کی سی کرتے ہیں اور عمل پکے دنیا داروں کے سے کرتے ہیں اگر انہیں دولت دنیا عطا کی جائے تو سیر نہیں ہوتے اور اگر دنیا کو ان سے روکا جائے تو قناعت نہیں کرتے جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اس پر شکر نہیں کرتے اور زیادتی کے طلب گار ہیں۔ لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں مگر خود باز نہیں رہتے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے۔ نیکوں کو دوست رکھتے ہیں مگر ان کے سے عمل نہیں کرتے۔ گنہگاروں سے بغض رکھتے ہیں اور خود بھی انہی میں سے ہیں۔ اپنے بہت زیادہ گناہوں کی وجہ سے موت کو مکروہ سمجھتے ہیں اور ان گناہوں پر قائم ہیں جو موت کی کراہت کا سبب ہیں اگر بیمار ہوں تو نادم ہوتے ہیں اور اگر صحت مند ہوں تو بے خوف ہو کر لہو ولعب میں مستغرق ہوتے ہیں۔ جب عافیت سے ہوتے ہیں تو غرور تکبر کرتے ہیں اور جب آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ناامید ہو جاتے ہیں اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو بے چین ہو کر دعا کرتے ہیں اور اگر خوشحالی میں ہوتے ہیں تو غرور کرتے اور اعراض کرتے ہیں۔ جو وہ گمان کرتے ہیں ان کا نفس اسی پر غالب ہے اور یقینی چیزوں پر غالب نہیں ہے اگر کوئی دوسرا چھوٹا گناہ بھی کرے تو اس کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور خود اس سے بڑے

گناہ پر ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اگر مال دار ہو جاتے ہیں تو اتراتے ہیں اور غربت آ جاتی ہے تو نا امید کمزور ہو جاتے ہیں، عمل میں کوتاہی کرتے ہیں اور جب مانگتے ہیں تو بہت زیادہ۔ اگر شہوت درپیش ہو تو فوراً کر گزرتے ہیں اور توبہ جلدی نہیں کرتے اگر تکلیف آتی ہے تو صبر و ثبات اختیار نہیں کرتے۔ عبرتناک واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن خود عبرت حاصل نہیں کرتے۔ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں اور عمل بہت کم کرتے ہیں۔ فانی چیزوں کے حریص ہیں اور باقی چیزوں کے معاملہ میں نرم ہیں۔ نیک کام کو تاوان اور برے کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ موت سے ڈرتے ہیں لیکن وقت کے ہاتھ سے جانے کا ان کو خیال نہیں، جس گناہ کو اپنے لئے چھوٹا سمجھتے ہیں اگر وہی گناہ غیر سے سرزد ہو تو اسے بہت بڑا سمجھتے ہیں جس عبادت و اطاعت کو اپنے لئے بہت بڑی سمجھتے ہیں اگر وہی عبادت و اطاعت غیر سے واقع ہو تو اسے حقیر تصور کرتے ہیں۔ لوگوں پر طعن کرتے ہیں اور اپنے نفس کی خاطر و مدارت میں مشغول ہیں، فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے سے امیروں کے ساتھ رہ کر لغو اور عبث کاموں میں مشغول رہنا انہیں زیادہ پسند ہے۔ اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں پر حکم کرتے ہیں اور دوسروں کے مفاد کے لئے اپنے نفس پر حکم نہیں کرتے، دوسروں کو رشد و ہدایت کا سبق دیتے ہیں اور اپنے نفس کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ نافرمان ہیں۔ دوسروں سے وعدہ وفائی کے طالب اور خود وفا نہیں کرتے اپنے رب سے نہ ڈرنے کی وجہ سے مخلوق سے ڈرتے ہیں اور مخلوق سے ڈرنے کے سبب سے اپنے خدا سے نہیں ڈرتے۔

(42) تم پر اس شخص کی اطاعت لازم ہے جس پر تم جہالت کا عذر پیش نہیں کر سکتے۔

(43) ہر ایک کام کا انجام ضروری ہے شیریں ہو یا تلخ۔

(44) اگر تم صاحب بصیرت ہو گئے تو دوسرے کو بھی صاحب بصیرت بنا سکتے ہو اور اگر تم ہدایت پا چکے ہو تو دوسرے کو بھی ہدایت کر سکتے ہو۔

(45) مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں ہے۔

(46) بعض اوقات ایک مضر طعام کا کھانا بہت سے کھانوں کو روک دیتا ہے۔

(47) ہر برتن میں جس قدر کوئی چیز ڈالی جائے اس قدر وہ تنگ ہوتا چلا جاتا ہے مگر ظرف علم میں جس قدر زیادتی کی جائے اسی قدر وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔

(48) بندوں پر ظلم وزیادتی کرنا آخرت کے لئے بہت بڑا توشہ ہے۔

(49) کریم کا نہایت ہی عمدہ فعل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ان عیوب کی طرف التفات نہیں کرتا جو اسے معلوم ہیں۔

(50) خاموشی اختیار کرنے سے ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ عدل و انصاف کرنے سے لوگوں کے ساتھ اتفاق و مواصلات پیدا ہوتے ہیں۔ احسان و اکرام کرنے سے مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ تواضع کرنے سے نعمتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ تکالیف برداشت کرنے سے شرف و بزرگی واجب ہو جاتی ہے۔ میانہ روی سے دشمن مغلوب ہو جاتے ہیں۔ جاہل و نادان کے مقابلہ میں علم اختیار کرنے سے مددگار بڑھ جاتے ہیں۔

(51) طمع کرنے والا ذلت وخواری کی قید میں ہے۔

(52) تکبر، بزدلی، بخل، مردوں کے لئے نہایت بری خصلتیں ہیں مگر عورت کے لئے بہت اچھی کیونکہ جب وہ متکبر ہوگی تو کسی کو اپنے نفس پر قابو نہیں دے گی اور جب وہ بخیل ہوگی تو اپنے اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرے گی اور جب وہ بزدل ہوگی تو ہر چیز سے جو اس سے معترض ہوگی ڈر کر رہے گی۔

(53) ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کسی چیز کی رغبت رکھتے ہوئے تو یہ عبادت تاجروں کی سی ہے اور ایک گروہ اللہ کی عبادت کرتا ہے، عذاب سے ڈرتے ہوئے تو یہ عبادت غلاموں کی سی ہے اور ایک گروہ اللہ کی عبادت کرتا ہے شکر ادا کرتے ہوئے تو یہ عبادت آزاد لوگوں کی ہے۔

(54) نعمت کو (بسبب کفرانِ نعمت) بھگا دینے سے خوفِ خدا کرو کیونکہ ہر ایک بھاگا ہوا

واپس نہیں آیا کرتا۔

(55) جو شخص تیرے متعلق نیک گمان رکھتا ہے تو اس کے گمان کی تصدیق کر۔

(56) افضل عمل وہ ہے جس کے لئے تو اپنے نفس پر جبر کرے۔

(57) دنیا کی تلخی آخرت کی شیرینی ہے اور دنیا کی شیرینی آخرت کی تلخی ہے۔

(58) جب تم فقیر و محتاج ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدقہ دے کر تجارت کرو۔ یعنی صدقہ کرو!

(59) اہل ظلم و ستم کے ساتھ وفا کرنا اللہ کے نزدیک ظلم ہے، اور اہل ظلم و ستم کے ساتھ سختی و جفا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وفا ہے۔

(60) اپنے دوست کے ساتھ دوستی میں مبالغہ نہ کر شاید وہ کسی دن تیرا دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن کے ساتھ دشمنی میں مبالغہ نہ کر شاید وہ کسی دن تیرا دوست ہو جائے۔

(61) وہ تھوڑا عمل جسے تو ہمیشہ کرتا ہے اس زیادہ عمل سے افضل ہے جسے تو نے ملول اور دل برداشتہ ہو کر چھوڑ دیا ہے۔

(62) تمہارے اور نصیحتوں کے درمیان تمہاری غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

(63) آپ سے قضا و قدر کے متعلق پوچھا گیا' یہ ایک تاریک راستہ ہے، اس پر نہ چلو یہ ایک گہرا سمندر ہے۔ اس میں غوطہ نہ لگاؤ، یہ ایک اللہ کا بھید ہے۔ اس کے حاصل کرنے میں تکلیف نہ اٹھاؤ۔

(64) اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی پر عذاب و عقوبت کا وعدہ نہ بھی فرماتا تو بھی واجب تھا کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لحاظ سے اس کی نافرمانی نہ کی جاتی۔

(65) خلوتوں میں اللہ کی نافرمانیوں سے بچو کیونکہ ان پر گواہی دینے والا خود حاکم ہے۔

(66) جس نے گناہ کے سبب سے فتح حاصل کی اس نے فی الحقیقت فتح نہیں پائی اور جو ظلم و ستم کے ساتھ غالب ہوا وہ حقیقۃً مغلوب ہے۔

(67) بغیر عمل کے دعا کرنے والا ایسا ہے جیسا بغیر کمان کے تیراندازی کرنے والا۔

(68) سوال نہ کرنا فقیر کی زینت ہے اور شکر کرنا مال دار کی زینت۔

(69) عدل و انصاف کا دن ظالم پر مظلوم کے ستم رسیدہ ہونے کے دن سے زیادہ سخت ہوگا۔

(70) سخت ترین گناہ وہ ہے جسے گنہگار ہلکا و معمولی سمجھے۔

(71) جس شخص نے اپنے نفس کے عیب کی طرف نظر کی وہ دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہا۔

(72) سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تو لوگوں کے ان عیوب کی گرفت کرے جو تجھ میں موجود ہیں۔

(73) عرض کیا گیا کہ اگر ایک شخص کو کسی مکان میں بند کر کے دروازہ بند کر دیا جائے تو اس کو رزق کہاں سے حاصل ہوگا؟ فرمایا جہاں سے اس کی اجل آئے گی!

(74) علم و عمل دونوں قریب قریب ہیں جسے علم ہے وہ عمل بھی کرتا ہے۔ علم عمل کو پکارتا ہے اگر اس نے آواز کو سن لیا تو خیر ورنہ علم کوچ کر جاتا ہے۔

(75) آگاہ ہو جاؤ کہ وسعت مال ایک نعمت ہے اور وسعت مال سے افضل تندرستی ہے اور تندرستی سے افضل قلب کی پرہیز گاری ہے۔

(76) جو حق سے مقابلہ کرے گا حق اسے پچھاڑ دے گا۔

(77) پرہیز گاری تمام اخلاق کی سرتاج ہے۔

(78) بلاشبہ عید اس شخص کے لئے ہے جس کے روزے اللہ نے قبول فرمائے جس میں گناہ نہیں کیا جاتا یوم عید ہے۔

(79) تمام کا تمام زہد قرآن کے دو کلموں کے درمیان بیان ہوا ہے۔ اللہ فرماتا ہے وہ مال دنیا جو تمہیں نہیں ملا اس پر افسوس نہ کرو اور جو تمہیں مل گیا ہے اس پر خوش و شادماں نہ ہو پس جو شخص گزشتہ پر اندوہناک نہ ہو اور آئندہ اسے کوئی خوشی نہ ہو تو اس نے زہد کے دونوں گوشوں کو تھام لیا (یعنی ابتداء و انتہا کو پا لیا)

(80) دو بھوکے ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم، دوسرا طالب دنیا۔

(81) ظلم و ستم میں سبقت کرنے والا کل قیامت کے روز غم و غصہ کے سبب اپنے ہاتھ

چبائے گا۔

(82) جس نے اپنے بھید کو چھپایا خیر وصلاح اس کے ہاتھ میں ہے۔

(83) سخاوت رنجش ناموس کی نگہبان ہے۔ حلم و بردباری نادان کے ہونٹ سی دیتی ہے۔ معاف کرنا دشمن پر فتح پانے کی زکوٰۃ ہے۔

(84) انقلاب حالات میں مردوں کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

(85) تیرا خط تیرے پیام کو اچھی طرح پہچاننے والا ہے۔ بہ نسبت اس کے جو تیری طرف سے کچھ زبانی بیان کرے۔

(86) لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جبکہ قرآن ان میں بطور رسم باقی رہے گی، اسلام کا نام ہی رہ جائے گا۔ ان کی مسجدیں بلحاظ تعمیر تو معمور ہوں گے مگر بہ لحاظ ہدایت، خراب و برباد، ان میں سکونت کرنے والے شریرترین اہل زمین ہوں گے۔ انہی میں سے فتنہ وفساد کا ظہور ہوگا اور بدکرداریاں ان میں گھر کر جائیں گی جو شخص گناہ سے الگ ہوگا اسے اس کی طرف لوٹائیں گے اور جو گنہگاری سے پیچھے رہ جائے گا اسے گنہگاری کی طرف ہنکائیں گے۔

(87) بعض یہودیوں نے آپ سے بطور اعتراض کہا کہ ابھی آپ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دفن بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ لوگوں نے ان کی ذات میں اختلاف شروع کر دیا؟ فرمایا ہم نے ان کے ارشادات کے مفاہیم میں اختلاف کیا نہ کہ ان کی نبوت، رسالت یا شان میں اختلاف کیا، لیکن تم لوگ وہ ہو کہ ابھی تمہارے پاؤں دریا کے پانی سے خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ تم نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایسا ہی خدا پیدا کر دیجئے جیسا کہ بت پرستوں کے خدا ہیں (حالانکہ تم نے دریا سے گزرتے وقت خدا کی قدرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا) تو تمہارے نبی نے فرمایا تھا کہ بے شک تم ایک جاہل قوم ہو!

(88) خداوند عالم کو بزرگ و برتر سمجھ لینا۔ مخلوقات کو تیری نگاہوں میں حقیر کر دے گا۔

(89) غیرت مند آدمی کبھی زنا نہیں کرتا۔

(90) جو شخص کسی قوم کے کسی فعل سے راضی ہوا تو گویا اس کے ساتھ وہ خود بھی اس فعل میں داخل ہو گیا اور ہر ایک باطل میں داخل ہونے والے پر دو گناہ ہیں، ایک تو عمل باطل کے کرنے کا اور دوسرا عمل باطل پر راضی ہونے کا۔

(91) جس شخص نے لوگوں کے عیب کو دیکھا، انہیں برا جانا پھر اپنے نفس کے لئے انہیں عیوب کو اختیار کر لیا وہ احمق ہے۔

(92) حسن عمل میں کوتاہی کرنا سخت غلطی ہے جب کہ تجھے اس پر ثواب ملنے کا یقین ہے۔

(93) کوئی شرف اسلام سے اعلیٰ نہیں کوئی عزت، تقویٰ سے زیادہ معزز نہیں۔ کوئی حصار زہد و ورع سے زیادہ محکم و استوار نہیں، کوئی سفارشی توبہ سے زیادہ کامیاب نہیں اور کوئی خزانہ قناعت سے زیادہ غنی نہیں۔

(94) حرص، تکبر اور حسد گناہوں کی طرف بلانے والے ہیں۔

(95) زمانے کے دو دن ہیں ایک تیرے نفع کا، دوسرا تیرے نقصان کا، جب تیرے نفع کا ہو تو ناشکری نہ کر اور نہ اس پر اترا۔ اور جب تیرے نقصان کا ہو تو صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی صبر کر۔

(96) ثواب خداوندی طلب کرنے کے لئے امراء کا فقراء کے ساتھ بتواضع پیش آنا کیا اچھی بات ہے اور فقراء کا اللہ پر توکل کرتے ہوئے امراء کے سامنے فروتنی و عاجزی نہ کرنا اس سے بھی اچھی بات ہے۔

(97) اولیاء اللہ وہ ہیں جو دنیا کے باطن پر نظر رکھتے ہیں جب کے لوگ دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی آخرت میں مشغول ہوتے ہیں جب کہ لوگ اپنی دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ خواہش نفسانی کو مار دیتے ہیں جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ انہیں تباہ کر دے گی اور دنیا کی اس چیز کو ترک دیتے ہیں جسے جان لیتے ہیں وہ عنقریب ان سے الگ ہو جائے گی دنیا کا وہ مال جو ان کے غیروں کی نگاہ میں کثیر ہوتا ہے اس کو قلیل اختیار کرتے ہیں جب لوگ دنیا کو پا لیتے ہیں وہ سمجھتے

ہیں کہ دنیا ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ وہ لوگوں کی مصالحت کے دشمن ہیں اور لوگ ان کی مصالحت کے دشمن ہیں۔ کتاب اللہ کا علم ان کے ساتھ ہے اور وہ اس کو جانتے ہیں اور کتاب اللہ ان کے ساتھ قائم ہے کسی امیدوار کو اس سے بالاتر نہیں دیکھتے جس کی یہ امید کرتے ہیں اور نہ کسی ڈرنے والے کو اس سے بلند دیکھتے ہیں جس سے یہ ڈرتے ہیں۔

(98) اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا بیٹا میری چار وصیتیں یاد رکھ! اگر ان پر عمل کرے گا تو نقصان نہیں اٹھائے گا!

بلاشبہ سب سے بڑی غنا عقل ہے، سب سے بڑی احتیاج حماقت و بے عقلی ہے سب سے بڑی وحشت تکبر و غرور ہے۔ سب سے بڑی بزرگی حسن خلق ہے بیٹا احمق کی دوستی سے پرہیز کرنا کیونکہ وہ ارادہ تو کرے گا کہ تجھے نفع پہنچائے مگر نادانی کی وجہ سے تجھے نقصان پہنچائے گا اور بخیل کی دوستی سے بچنا کیونکہ جب تجھے اس کی مدد کی ضرورت ہو گی وہ تیری اعانت سے دستبردار ہو کر تجھ سے دور ہو جائے گا۔ اور فاجر کی دوستی سے بھی بچنا کیونکہ وہ ایک معمولی سی قیمت کے بدلے تجھے بیچ دے گا اور کذاب (جھوٹے) کی دوستی سے بھی بچنا کیونکہ کذاب سراب کی مانند ہے لہٰذا وہ بعید کو تجھ پر قریب اور قریب کو تجھ پر بعید ظاہر کرے گا۔

(99) آپ سے ایمان کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا ایمان چار ستونوں پر قائم ہے اور وہ یہ ہیں صبر، یقین، عدل اور جہاد، صبر کی چار شاخیں ہیں۔ شوق، خوف، زہد، انتظار تو جو شخص جنت کا مشتاق ہوا اس نے شہوات کو چھوڑ دیا اور جو شخص دوزخ سے ڈرا اس نے محرمات سے اجتناب کیا اور جس نے دنیا میں زہد کیا مصیبتیں اس پر آسان ہو گئیں اور جو موت کے انتظار میں رہا اس نے بھلائیوں کی طرف عجلت کی۔ اسی طرح یقین کی بھی چار شاخیں ہیں۔ نگاہِ زیرک' تاویل حکمت' نصیحت' عبرت' پہلوں کا طریقہ' پس جس شخص نے غور و فکر سے سمجھا اس کے لئے حکمت ظاہر ہوئی اور جس کے لئے حکمت ظاہر ہو گئی اس نے عبرت کو پہچان لیا وہ گویا

پہلے لوگوں میں سے ہو گیا۔ اسی طرح عدل کے بھی چار شعبے ہیں عقل و فہم میں تیز ہونا۔ علم کے ظاہر و باطن کو پہنچنا۔ حکم کو روشن کرنا۔ حلم کو قائم رکھنا۔ پس جس شخص نے عقل و فہم سے جانا اس نے علم کے ظاہر و باطن کو جان لیا ہے۔ اس نے شریعت کے مطابق حکم صادر کیا اور جس نے حلم اختیار کیا وہ اپنے کام میں تقصیر نہیں کرے گا اور لوگوں میں تعریف کے ساتھ رہے گا۔ اسی طرح جہاد کے بھی چار شعبے ہیں نیکی کا حکم کرنا، برائی سے منع کرنا، میدانِ جنگ یعنی لڑائی کے وقت سچائی اختیار کرنا، نافرمانوں سے نفرت و دشمنی کرنا پس جس شخص نے نیکی کا حکم کیا اس نے مومنین کی کمر مضبوط کر دی اور جس نے مقامِ جنگ میں صداقت اختیار کی اس نے حق ادا کر دیا اور جس نے فاسقین سے دشمنی رکھی اور اللہ کے لئے ان پر غضب ناک ہوا قیامت کے دن اللہ فاسقوں پر غضب ناک ہوتے ہوئے اس پر خوش ہو گا اور اس کو خوش کرے گا۔

(100) اے اللہ کے بندے! کسی گناہ کی وجہ سے کسی کی عیب جوئی نہ کر شاید وہ بخش دیا گیا ہو اور تو اپنے نفس پر صغیرہ گناہ سے بھی بے خوف نہ رہ کیا عجب کہ اسی کے سبب تجھ پر عذاب کیا جائے!

(101) قلب کی معرفت، زبان کے اقرار اور ارکان کے عمل کا نام ایمان ہے۔

(102) اے جابر دین و دنیا چار آدمیوں کے سبب سے قائم ہے۔ (۱) عالم جو اپنے علم کا استعمال کرتا ہو (۲) جاہل جو علم کے حاصل کرنے میں شرم محسوس نہ کرتا ہو (۳) سخی جو اپنے احسان میں بخل نہ کرتا ہو (۴) فقیر جو اپنی آخرت کو دنیا کے عوض نہ بیچتا ہو۔ پس جس وقت عالم نے اپنے علم کو ضائع کیا جاہل نے علم حاصل کرنے میں شرم و عار محسوس کی اور غنی و سخی نے خیرات و احسان کرنے میں بخل کیا اور فقیر نے آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ دیا تو دین و دنیا قائم نہیں رہیں گے۔

(103) تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان سے بیعت کی تھی انہی شرائط پر جن پر ان سے بیعت کی تھی لہٰذا اب نہ کسی حاضر کو

چاہئے کہ وہ کسی اور کو اختیار کرے اور نہ کسی غائب کو چاہئے کہ وہ میری خلافت کو ردّ کرے سوا اس کے نہیں کہ مشورۂ خلافت کا حق مہاجرین و انصار کو ہے پس اگر مہاجرین و انصار کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امانت و خلافت کے لئے نامزد کریں تو وہ خدا کا پسندیدہ امام ہوتا ہے پھر اگر کوئی شخص مہاجرین و انصار کے امر اجماع سے نکلے، کوئی اعتراض کرتے ہوئے یا کوئی نئی بات نکالتے ہوئے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو پھر اس اجماع کی طرف واپس لائیں جس سے وہ نکلا ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتاعت کریں کیونکہ اس نے ایمان والوں کے طریقے کے خلاف پیروی کی اور اللہ اس کو اسی طرف پھیرے گا جدھر وہ پھرا۔

(104) بے شک میں نے اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تم میں کوئی بھی تو ان کی نظیر دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ الجھے ہوئے بال غبار آلود چہرے، بے شک ان کی راتیں قیام و سجود میں گزرتی تھیں کبھی ان کی پیشانیاں صرف سجود ہوتی تھیں اور کبھی رخسارے لحدہ' اپنے معاد کے ذکر سے ایسے بے حس و حرکت ہو جاتے تھے جیسے بقیہ تنہ خرما، سجدوں کے طول سے ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانیوں پر گٹے پڑ پڑ کے ایسے ہو گئے تھے جیسے بکریوں کے زانو۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہوئی جیب و دامن کو تربتر کر دیتی تھیں۔ وہ خوف عقوبت اور امید ثواب سے ایسے لرزتے تھے جیسے سخت آندھی کے وقت درخت جنبش کیا کرتے تھے۔

فائدہ: امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے تمام ارشادات شیعہ مذہب کی معتبر کتاب نہج البلاغۃ سے نقل کئے گئے ہیں اوپر کے دو ارشادات خاص طور قابل غور ہیں۔

پہلے ارشاد مبارک سے ثابت ہوا کہ انتخاب خلیفہ کا حق مہاجرین و انصار کو تھا اور ان کا منتخب شدہ خلیفہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ خلیفہ ہوتا ہے۔ پھر جو اس کی مخالفت کرے اور اس کو نہ مانے وہ مفسد اور ایمان والوں کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔ معلوم ہوا تینوں

خلفاء (سیّدنا ابوبکرؓ عمر و عثمان) برحق تھے۔ ان کو بھی مہاجرین و انصار ہی نے بالا تفاق منتخب کیا تھا۔ دوسرے ارشاد مبارک سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل، تقویٰ، پرہیز گاری، اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علی اپنے تمام معتقدین ساتھیوں سے فرما رہے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے بے نظیر تھے کہ تم میں کوئی ان کا مثیل و نظیر نظر نہیں آتا۔ متعصب اور ضدی قسم کے لوگوں سے کوئی توقع نہیں ہے وہ تو غلط تاویل کرلیں گے لیکن منصف حضرات سے پوری پوری توقع ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے غور کر کے صحابۂ کرام کی عظمت کا اعتراف کریں گے۔

بابِ مدینہ علم و حکمت، شہنشاہِ ولایت، سیّد السادات، مولائے کائنات، شیر خدا، مشکل کشاء، امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین حضرت سیّدنا ابوالحسنین علی کرم اللہ وجہہ کے بحر علوم و معارف سے یہ چند موتی پیش کیے گئے۔ ان میں ایک ایک اپنی تابانی و تابناکی میں لاجواب ہے اور انسانی زندگی کی کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے۔ بشرطیکہ انہیں پڑھ کر محظوظ ہونے پر اکتفا نہ کریں بلکہ ان ارشادات پر عمل کریں اور انہیں رہبر و رہنما بنا کر اپنی دنیا و آخرت سنواریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ بہ طفیل اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ارشاداتِ عالیہ سے مسلمانوں کو مستفیض فرمائے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اس مبارک ذکر پاک کو میرے اور سب اہل ایمان کے لئے نافع و شافع فرمائے اور خطا سے درگزر فرمائے، آمین ثم آمین۔

تمت بالخیر

ماخذ و مراجع

+ قرآن کریم
+ صحیح مسلم شریف
+ مشکوٰۃ شریف
+ تفسیر مدارک
+ تفسیر خازن
+ تفسیر جمل
+ تفسیر کبیر
+ مدارج النبوۃ
+ ابن عساکر
+ تشریف البشر
+ غنیۃ الطالبین
+ زُرقانی علی المواہب
+ شفاء شریف
+ بیہقی شریف
+ بزار
+ دیوانِ اقبال
+ طبقاتِ ابن سعد
+ صحیح بخاری شریف
+ ترمذی شریف
+ ابوداؤد شریف
+ تفسیر ابوالسعود
+ تفسیر معالم التنزیل
+ تفسیر صاوی
+ الاستیعاب
+ امداد المشتاق
+ الفتح الکبیر
+ نزہۃ المجالس
+ کیمیائے سعادت
+ مسند امام احمد
+ سیرتِ فاطمہ
+ مشکوٰۃ
+ دارقطنی
+ غنیۃ
+ حلیۃ الاولیاء

- البدایہ والنہایہ
- لسان العرب
- فتح الباری
- تاریخ طبری
- بہار الانوار
- الحدید
- اشعۃ اللمعات
- حق الیقین علامہ مجلسی
- دیلمی
- مسند ابوداؤد طیالسی
- ابن اثیر
- ابونعیم
- ابن ماجہ
- نسائی
- طبرانی
- درمنثور
- اظہار السعادات
- سیرت الشافعی
- ملفوظات مظہر جانِ جاناں
- تفہیمات
- ابن ابی حاتم
- مشکل الآثار
- قاموس
- مصباح اللغات
- فتح البلدان
- تاریخ کامل ابن اثیر
- اصول کافی مع شرح صافی
- شرح نہج البلاغہ
- حجاج السالکین
- امالی
- ارشاد القلوب
- مکتوبات شریف
- ابن سعد
- موطا امام مالک
- کشف الغمہ
- تکملہ فتح القدیر
- زُرقانی علی المواہب
- الریاض النضرہ
- تحفہ اثنا عشریہ
- نور الابصار
- اخبار الاخیار
- احیاء العلوم
- معارج النبوۃ
- روح البیان

+ تاریخ الخلفاء
+ خالص الاعتقاد
+ سراج المنیر
+ شمس التواریخ
+ مطمحۃ الشافعی
+ طبری
+ دیوانِ فریدالدین عطار
+ استیعاب
+ کشف الظنون
+ الجامع الصغیر
+ مطالب السول
+ جمال الاولیاء
+ مسعودی
+ دیوانِ ہاشمی


اسرارِ خطابت
پورے سال کے خطبات جمعہ سے بے نیاز کر دینے والی کتاب



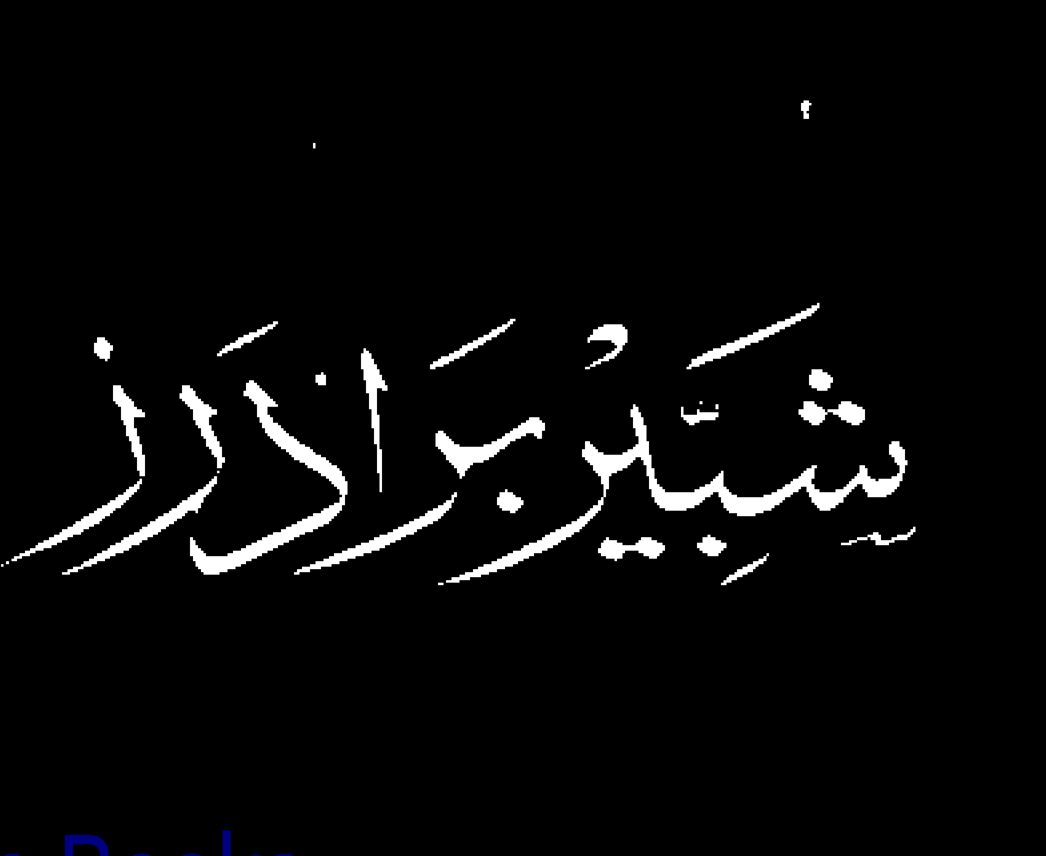



قربانی








شبیر برادرز